

فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَهُ يُؤْمِنُونَ (قرآن)

لا اله الا هو

لا اله الا هو

هنا

# محاضرة

٩٨

مدير

حافظ عبد الرحمن بن مكي

مجلس التحقيق الإسلامي - لاهور

# ماہنامہ محدث لاہور

## ماہنامہ 'محدث' لاہور کا اجمالی تعارف

مدیر اعلیٰ: حافظ عبدالرحمن مدنی      مدیر: ڈاکٹر حافظ حسن مدنی

ماہنامہ 'محدث' لاہور، ہندوستان سے نکلنے والے ایک رسالے کی ہی ارتقائی شکل ہے۔ جامعہ رحمانیہ دہلی سے نکلنے والے رسالے - جس کا نام **محدث** تھا - کو پروان چڑھاتے ہوئے تقسیم ہند کے بعد دوبارہ ماہنامہ 'محدث' لاہور کے نام سے پاکستان میں معروف عالم دین و دانشور **حافظ عبدالرحمن مدنی** نے اس کا اجراء کیا۔ یہ تحقیقی رسالہ ۱۹۷۰ء سے اب تک کامیابی و کامرانی سے شائع ہو رہا ہے، واللہ الحمد!

**محدث** کی علمی پہچان کے حوالے سے اتنا ہی کافی ہے کہ یہ ہر صاحب علم و فضل کی ضرورت بن چکا ہے کیونکہ اس کے مضامین جدید فکر کے حامل اور لحدانہ افکار کیلئے شمشیر بے نیام کی حیثیت رکھتے ہیں۔

## گھر بیٹھے 'محدث' وصول کیجئے!

قارئین کرام! گھر بیٹھے محدث حاصل کرنے کیلئے درج ذیل طریقہ کار اختیار کریں!

فنی شماره: ۲۰ روپے      زیر سالانہ: ۲۰۰ روپے      بیرون ملک: ۲۰ ڈالر

بذریعہ منی آرڈر / بینک ڈرافٹ ۲۰۰ روپے بھیج کر سال بھر گھر بیٹھے **محدث** وصول کریں اور علمی و تحقیقی

مضامین سے استفادہ کریں۔      ایڈریس: ماہنامہ محدث، ۹۹ جے، ماڈل ٹاؤن، لاہور ۵۴۷۰۰

فون نمبر: 035866476 / 3586639 - 042      موبائل: 0305 - 4600861

انٹرنیٹ پر محدث پڑھنے اور ڈاؤن لوڈ کرنے کیلئے درج ذیل ویب سائٹ دیکھئے!

www.kitabosunnat.com      www.mohaddis.com

مزید تفصیلات کیلئے: webmaster@kitabosunnat.com

## اجرائے محدث کے مقاصد

✍ عناد اور تعصب قوم کیلئے زہر ہلا بل کی حیثیت رکھتے ہیں!

لیکن تعصبات سے بالاتر رہ کر افہام و تفہیم اُمت کیلئے رحمت کا باعث ہے۔

✍ علوم جدیدہ سے ناواقفیت اور انکار، انسانی ارتقاء کو تسلیم کرنے میں بخل کا درجہ رکھتے ہیں!

لیکن قدیم علوم اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دُقیانوس بنانا اُمت کی تباہی کا سبب ہے۔

✍ غیر مذاہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اُقدار کے منافی ہے!

لیکن دین اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سرانجام نہ دینا حمیت دینی اور غیرت اسلامی سے یکسر انحراف ہے۔

✍ تبلیغ دین اور اشاعت اسلام میں حکمتِ عملی کو نظر انداز کر دینا مصالِحِ دینیہ کے خلاف ہے!

لیکن حلال اور حرام کے امتیاز میں رواداری برتنا اور قوانین و مسائل اسلامیہ کو نرم کر دینا اسلامی روح کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے۔

✍ آئین و سیاست سے بیگانہ ہر کر عبادت کیلئے گوشہ نشین ہو جانازندگی سے فرار ہے!

لیکن جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی۔

✍ جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عبادِ صالحین کے اوصاف میں داخل ہے!

لیکن جاہلیت کو مٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے۔

اگر آپ ایسا منصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو

# ماہنامہ محدث لاہور

کا مطالعہ فرمائیے، آپ اس کو ان جملہ صفات و محاسن سے مزین پائیں گے، ان شاء اللہ!

کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرزِ فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

ملتِ اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

# ماہنامہ محدث لاہور

جلد ۱۰	ربیع الآخر ۱۴۰۰ھ	عدد ۴
--------	------------------	-------

## فہرست مضامین

- ۱- فکرو نظر تعلیمی منصوبہ بندی میں نظر یا قی گن کا ڈاکٹر عبدالرؤف کا ۲
- ۲- نقد و بحث حافظ عبداللہ محدث روپڑی کا فتویٰ اور مولانا عزیز زبیدی کا تعاقب مولانا ابوالاسلام محمد صدیق ۶
- ۳- حدیث نبوی دین میں حجت ہے ڈاکٹر محمد الجوشبہ ۱۴
- ۴- آرٹ اور اسلام جناب ایم۔ ایم۔ اے ۳۶
- ۵- حضرت مولانا ابوالوفا شار اللہ صاحب ۵۰
- ۶- شعور و ادب وہ بعد مرگ محمد میں ہمیں اتار آئے عبد الرحمان عاجز ۴۹

ناشر: حافظ عبدالرحمان مدنی، طالب: چودھری رشید احمد، مطبع: مکتبہ جدید پریس من ناظمہ جناح لاہور  
نذر سالانہ - ۱۵ روپے، فی پرچہ ۵۰ روپے

## تعلیمی منصوبہ بندی میں نظریاتی لگن کا بنیادی کردار

نظریاتی لگن اور بقا و احیاء ملی

ہر باشعور انسان اور ہر تمدن معاشرے کی زندگی کا کوئی نہ کوئی مقصد، کوئی نہ کوئی نظریہ حیات ضرور ہوتا ہے۔ اگر یہ نظریہ حیات پورے شعور و شدت سے فکر و عمل کو گرتا ہو تو افراد اور معاشرہ کے تمام مسائل بطریق احسن پورے ہوتے چلے جاتے ہیں اور ان کے سامنے علم و عرفان، سیادت و قیادت اور تسخیر و تسلط کے رموز و نکات کھلتے چلے جاتے ہیں۔ اس کے برعکس اس نظریاتی لگن سے عاری افراد اور ادارے ذاتی نقصان اٹھانے کے علاوہ بسا اوقات پورے معاشرے کو بھی لے ڈوبتے ہیں۔ افراد اور ملتوں کی تعمیر و تخلیق کے لیے نظریاتی لگن کی حرارت ناگزیر ہے۔

### نظریاتی لگن کی بالادستی

بین الاقوامی منڈی میں اس وقت کئی ایک نظریے کشمکش اشاعت و اقتدار میں سرگرم عمل ہیں۔ پاکستان کے نظریہ حیات کے خود خال قرآن حکیم میں وضع کر دیے گئے ہیں۔ اس عظیم اسلامی مملکت کے قیام کے لیے ایک دلولہ انگیز جہاد بھی اسی لیے ہوا تھا کہ مسلمانان برصغیر اپنی زندگی قرآن و سنت کے تابع کر سکیں۔ چنانچہ اس اسلامی ریاست کی اساس ان شہدائے کرام کے مقدس لہو پر رکھی گئی جنھوں نے ہمیں قرآن و سنت کی روشنی سے معمور ماحول فراہم کرنے کے لیے اپنی جان کی بازی بھی دائرہ پر لگا دی تھی۔ اب ہمارے لیے سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہیں کہ ہم اس مقدس نظریے کو دل سے لگائے رکھیں اور اپنی زندگی کے تمام شعبوں میں اسی سے رشد و ہدایت لیتے رہیں۔

ہم نے یہیں اکتفا نہیں کرنا، بلکہ اپنے فکر و عمل اور معیشت و معاشرت کے جملہ شعبوں



کی اس اعلیٰ و ارفع طریق سے تشکیل نو کرنا ہے کہ اپنے وطن میں اس عزیز از جان نظریہ کو استحکام نصیب ہو اور اس کی روشنی میں ملی اچیک کے ساتھ ساتھ بین الاقوامی نظریاتی منڈی میں بھی انجام کار سے ہی غلبہ نصیب ہو۔ ملی معیشت و معاشرت کو نت نئے بجزاؤں سے نکالنے اور عالمی امن کا راستہ تراشنے کے لیے اور کوئی لائحہ عمل اس سے بہتر، کم خرچ اور موثر نہیں ہو سکتا۔

### تعلیمی منصوبہ بندی میں نظریاتی لگن کے اقتصادی فوائد

نظریاتی لگن ہر قسم کی منصوبہ بندی میں بے حد منفعت بخش ثابت ہوتی ہے مگر تعلیمی منصوبہ بندی میں تو نظریاتی حرارت خصوصی طور پر نمایاں رنگ لاتی ہے۔ دنیا کے تعلیمی نظاموں کا تقابلی تجزیہ کیا جائے تو یہ حقیقت قطعی واضح ہو جاتی ہے کہ جن ممالک میں کسی نہ کسی قسم کا کوئی نہ کوئی نظریاتی حیات کارفرما ہے وہاں تعلیم ایک قوی، موثر اور سود مند تحریک کا روپ دھارے ہوئے ہے۔ چنانچہ ایسے خطوں میں عامۃً الناس کے سیرت و کردار اور معیشت و معاشرت کے مختلف شعبوں میں نظریاتی لگن کی مفرح خاطر چھاپ واضح طور پر نظر آتی ہے۔ اس کے برعکس ایسے ممالک جہاں عوام کے دل و دماغ نظریاتی لگن سے عاری ہیں وہاں عمل تعلیم اور عمومی زندگی میں وہ دلولہ اور رنگ مفقود ہیں جو بقا اور احیاء کا منطقی لازمہ ہوا کرتے ہیں۔

صوبائی تعلیم کے سربراہ کی حیثیت سے اپنی فنی زندگی میں راقم الحروف نے بھی اس حقیقت کی توثیق شاہدہ کی ہے۔ چنانچہ میں نے دیکھا ہے کہ جن سکولوں، کالجوں، یونیورسٹیوں اور تعلیمی دفاتر کے سربراہ نظریاتی لگن سے سرشار ہیں۔ وہاں نتائج بحیثیت مجموعی بے حد تسلی بخش ہیں۔ اس کے برعکس جہاں یہ لگن مفقود یا دھیمی ہے، وہاں حالات نسبتاً یابوس کن ہیں۔ بلکہ کئی جگہوں میں تو یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ نظریاتی لگن کے فقدان سے اس قدر انتشار و کھارم مچا ہوا ہے کہ کئی اچھے بھلے منصوبے بھی نہ صرف بے حس اور جمود کا شکار ہیں بلکہ ان کے رُخ بھی تعمیر و تخلیق سے ہٹ کر تحریف و تخریب کی جانب مڑ چکے ہیں۔ چنانچہ اس افسوسناک صورت حال کے کفارہ کے لیے اور اپنے تعلیمی جہاد کو مزید موثر اور اثر آور بنانے کے لیے خاکسار نے نظریاتی لگن گرومانے کے منصوبوں کو تیز تر کر دیا ہے۔ مقامِ مسرت ہے کہ ان کم خرچ اور تیر بہدف اصلاحی نسخوں سے کافی حوصلہ افزا نتائج مرتب ہونا شروع ہو گئے ہیں۔

## نظریاتی لگن میں سقم و خلل کا علاج و انسداد

ایک طلبہ اسلامی سلطنت میں تمام منصوبہ بندی کا محور قرآن و سنت ہونا قطعی لازمی ہے ورنہ کی کم مائی کا تو اس سے بہتر اور کوئی علاج نہیں کہ نظریاتی لگن کی کم خرچ مگر تیز برقی حرارت سے اس تہی دستی کا کفارہ کیا جائے مگر اگر کہیں شو منی قسمت سے وسائل کی تہی دستی اور نظریاتی لگن کا فقدان یکجا ہو جائیں تو معیشت و معاشرت کا مکمل طور پر کباڑہ ہو جاتا ہے۔ میرے تجزیہ کے مطابق ادارہ ماضی میں ہماری معیشت کے المیہ کا بنیادی سبب ان ہر دو شقائقوں کا یہی بد نصیب امتزاج تھا۔

یہ امر بدیہی ہے کہ ہر قسم کے ماہرین منصوبہ بندی میں بالعموم اور تعلیمی منصوبہ بندی کے تمام کارکنوں میں بالخصوص نظریاتی لگن کو اساسی کردار ادا کرنا چاہیے۔ نظریاتی حرارت میں اگر کوئی خلل یا سقم واقع ہو تو اس کا علاج و انسداد ممکن ہے۔ ایک سیدھا سادہ طریق یہ بھی ہے کہ منصوبہ ساز اپنے آپ سے فقط ایک سوال کرے کہ زیر نظر منصوبہ کی اصل غرض و غایت کیا ہے؟ چنانچہ ضمیر کی دھڑکنوں اور وقت کے تقاضوں سے واضح جواب ملتا ہے کہ ہم نے اس مقدس خطہ زمین کو جس مقصد کے لیے حاصل کیا تھا اس کو زیر نظر منصوبہ کی وساطت سے آگے بڑھانا لازم ہے۔ اگر اس واضح نشاندہی کے بعد بھی مصنف منصوبہ کو کچھ سمجھائی نہ دے، وہ اندھیری غاروں میں سرگرداں رہے یا رہنمائی کے لیے ادھر ادھر جھانکتا پھرے تو پھر اس کی کم مائی یقیناً گراہی، ضیاع، ہزیمیت اور ہلاکت پر منتج ہوگی۔

ضمیر کی آواز، وقت کی ضروریات اور ہمارے خصوصی تاریخی پس منظر کے حوالے سے منصوبہ بندی کے کارکن کو اپنے فرائض کے حدود و مال اور طریق کار وضع کرنے میں کافی مدد ملتی ہے۔ اگر شکوک و ابہام کی دھند لگیں پھر بھی واضح نہ ہوں تو فن منصوبہ بندی پر جدید تصانیف کے ساتھ ساتھ قرآن حکیم، احادیث نبوی اور تاریخ اسلام کے پر تجسس اور عقدہ کش مطالعہ سے مطلوبہ روشنی حاصل کی جاسکتی ہے۔ مگر اگر خدا نخواستہ پھر بھی نظریاتی لگن میں حورارت پیدا ہونے اور قلمزم اسراء کے پردے اٹھنے کی کوئی صورت پیدا ہوتی دکھائی نہ دے تو پھر تعلیمی منصوبہ بندی کے مقدس فن سے خواہ مخواہ چپکے رہنے سے کہیں بہتر ہے کہ منصوبہ ساز اپنی بے بصری کا اعتراف کرتے ہوئے اپنے منصب سے فوراً مستعفی ہو جائے کیونکہ خاص

جہالت و جہود پر مبنی منصوبہ بندی سے نہ صرف معیشت و معاشرت ملی کو شدید بھجاولوں کا سامنا رہے گا۔ بلکہ خود منصوبہ ساز کی فنی صلاحیتوں اور جذباتی توازن پر بھی سخت ناگوار اثرات مرتب ہوں گے۔

## معیشت و معاشرت کی سلامتی کا واحد راستہ

ملی معیشت و معاشرت جس رنگ میں ہے وہ ہمارے سامنے ہے۔ ہماری تعلیمی منصوبہ بندی اور مختلف منصوبوں کی ترتیب و تعمیل کا جو حشر ہو رہا ہے اس سے بھی آپ بخوبی آشنا ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ سب کچھ نظریاتی لگن کے فقدان ہی کا نتیجہ ہے۔

یا مردہ ہے یا عالم نزع میں گرفتار  
وہ فلسفہ جو لکھا نہ گیا خونِ جگر سے

ایک نحیف ذنالواں اسلامی سلطنت اور خصوصاً تیسری دنیا کے بے پناہ مسائل میں گری ہوئی مملکت کے سامنے اپنی بقا اور احیاء کے لیے ایک اور صرف ایک ہی راستہ کھلتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اس کی معیشت و معاشرت کے تمام شعبوں کی منصوبہ بندی میں نظریاتی لگن کی ذرا نیکی کو اولیت دی جائے۔ تعلیمی منصوبہ بندی کو خلل و خرابے سے بچانے اور دنیا کے تعلیم و تمدن کو تعمیق کے مضامین پر گامزن کرانے کے لیے اس سے بہتر اور کوئی صورت نہیں۔

(ڈاکٹر عبدالرؤف، ڈائریکٹر پبلک انشورنس، پنجاب، لاہور)

## خوش خبری

قرآن مجید مترجم مع حواشی خواجہ سید سید محمد اسحاق صاحب محدث دہلوی رحمت اللہ کے چند نئے مفت تقسیم کیے جا رہے ہیں۔ پکنگ اور جٹری خرچ کے لیے دس روپے کا نمبر آرڈر بھیج کر ایک نسخہ طلب فرمائیں۔ یہ رعایت صرف ۱۲ تا ۱۵ مارچ تک ہے۔ اپنا پتہ مکمل صاف تحریر کریں۔ نمبر آرڈر پتہ ذیل پر روانہ کریں۔

ادارہ اشاعت القرآن والحديث محمدی مسجد اے۔ ایم، کراچی ۱



گشتہ سے پیوستہ

نقد و بحث

مولانا ابوالسلام محمد صدیقی

# حافظ عبد اللہ محدث کا فتویٰ

اور

مولانا عزیز زبیدی کا تعاقب

اس کے علاوہ آپ کا حاضر فی الذہن ہونا ان لوگوں کی نسبت تو درست ہو سکتا ہے جنہیں نے آپ کو دیکھا ہے کیونکہ ان کے ذہن میں آپ کی خاص صورت و شکل حاضر ہو سکتی ہے۔ لیکن جنہوں نے آپ کو نہیں دیکھا ان کے ذہن میں تو آپ کی صفات ہیں جو کلیات ہیں جن میں تعین اور تشخص نہیں تو پھر آپ بعینہ حاضر کس طرح ہوئے اور جب آپ بعینہ حاضر نہ ہوئے اور صرف آپ کی صفات ہوئیں۔ جو کلیات ہیں تو ان کے نزدیک بھی حاضر فی الذہن ہذا کا حقیقی معنی نہ ہوا اس سے بھی معلوم ہوا کہ عینی کا خیال درست ہے اور اگر بالفرض مان لیا جائے کہ حاضر فی الذہن ہذا کا حقیقی معنی ہوگا۔ پس اس صورت میں عینی اور حافظ ابن حجر برابر ہوں گے کیونکہ لفظ جب دو معنوں کے درمیان مشترک ہو تو بغیر دلیل کے کسی کو نہیں لے سکتے نہ حافظ ابن حجر کا مذہب ثابت ہوا نہ عینی کا۔ ہاں عینی کے مذہب کو ایک اور طرح سے ترجیح ہو سکتی ہے وہ یہ کہ حاضر فی الذہن کو ہذا کا حقیقی معنی ماننے کی صورت میں لازم آتا ہے کہ ہذا دو معنوں میں مشترک ہو اور اگر حاضر فی الذہن کو مجازی معنی قرار دیں تو اس صورت میں ہذا حقیقت مجاز ہوگا اور عربیت کا یہ قاعدہ ہے کہ جب ایک لفظ مشترک اور حقیقت مجاز کے درمیان داخل ہو تو حقیقت مجاز کی کثرت ہے۔ پس کثرت پر حمل ہوگا۔ اس بنا پر بھی عینی کے مذہب کو ترجیح ہوئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کنوٹ ہونا ہی غالب رہا۔

اس عبارت میں ترمیم نظر آنے لگتا ہے ایسا ہی ہے جیسا دو القرنین کے قصہ میں قرآن مجید

میں مذکور ہے وجد ما تغرب فی عین حسنة یعنی ذوالقرنین نے سورج کو سمندر میں غروب ہونے پایا اس پر مفسرین نے لکھا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ واقعی سورج سمندر میں غروب ہوتا ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ ذوالقرنین کو اسی طرح دکھائی دیا۔ ٹھیک اسی طرح ہماری عبارت ہے۔ اس میں یہ کہاں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الواقعہ ہر ایک قبر میں حاضر ہوتے ہیں۔  
وَمِنْ غَائِبٍ قَوْلًا صَحِيحًا وَافِقًا مِنْ أَفْهَمِ السَّقِيمِ۔

مسئلہ مذکورہ کے بارہ میں محدث روپڑی نے اس بات کو ترجیح دی کہ سوال هذا الرجل میں هذا کا مشاؤ الیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے صفات نہیں۔ محدث روپڑی کی اس تحقیق پر جہاں مولانا عبدالحلیم سامرودی نے تعاقب کیا ہے وہاں مولانا محمد جونا گڑھی مرحوم نے بھی چند اعتراضات کیے ہیں۔

**مولانا محمد جونا گڑھی** | محدث روپڑی کی اس تحقیق پر مولانا محمد جونا گڑھی نے حسب ذیل اعتراضات کیے ہیں۔

۱۔ محترم مولانا حافظ صاحب! ذرا ایک بات تو بتلائیں کہ چودہ سو سال کے بعد کے آنے والے کے سامنے چودہ سو برس پہلے کا کوئی شخص جسے کبھی اس نے دیکھا نہ ہو کھڑا کر دیا جائے اور اس سے پوچھا جائے کہ یہ کون ہے؟ تو کیا عقل باور کرتی ہے کہ وہ صحیح جواب دے گا۔

۲۔ یہ مان لینے سے کہ حضور قبر میں لائے جاتے ہیں آپ کی تشبیہ پیش کی جاتی ہے۔

سوال وجواب میں وہ لطافت ہی باقی نہیں رہتی، جو شریعت نے رکھی ہے۔

۳۔ جناب! من صرف لفظ ہذا کو جو اس موقع پر مثل متشابہ کے لیے لے کر مراحت کو جو من نبیؐ وغیرہ میں مثل محکمات کے ہے چھوڑ دینا تو شاید آپ اتباع سلف میں داخل نہ کر سکیں۔

۴۔ کیا جناب نے یہ بھی خیال کیا کہ جو پہلے ہی حضور کو ہر جگہ حاضر ناظر مانتے ہیں آپ کیسے کچھ ہتھیار دے رہے ہیں۔

۵۔ کیا اس قسم کے الفاظ ایسے مسائل کا استخراج کے لیے کافی ہیں؟ کیا قبرستان کے سلام کا خطاب مردوں کے حس اور سننے والے مثل زندوں کے ہونے کے لیے بس ہے۔

۶۔ کیا رقی و دبیث اللہ کا خطاب چاند سے کرنا اس لیے بھی کوئی کمال قدرت ثابت

کونے کے لیے کافی ہے۔

۷۔ اگر نہیں تو کیا جناب کے پاس قرآن و حدیث سے مذہب سلف سے کوئی ایسی دلیل ہے جس سے حضورؐ کا ہر گورے کالے، مسلم، کافر، عربی عجمی کی قبر میں پھیرے کرنا اور موجود ہونا ثابت ہوتا ہو۔

۸۔ لفظ هذا اگر موجود شے کی طرف اشارہ کے لیے ہی ہے تو پھر اوصاف بیان کرنے کی چنداں ضرورت ہی نہ تھی جو اتنا لمبا سوال ہو جائے۔

۹۔ لفظ هذا پر اتنا اصرار کرنا صرف اس کے لفظی معنی کی وجہ سے ہے کہ عقائد اسلام اور اجماع صحابہؓ اور ضروریات دین کے فوت ہونے پر بھی اس لفظ کو اس معنی سے نہ ہٹایا جائے تو پھر اسی کے سوال کے جواب کے لفظ هو پر بھی اعتماد کیوں نہیں کرتے وہ تو غائب کی ضمیر ہے پس مان لیجیے کہ حضورؐ غائب ہو جاتے ہیں۔ موجود نہیں ہوتے۔

۱۰۔ آخری ایک اور چیز سن لیجیے اور مجھے محترم حافظ صاحب کی انصاف پسندی اور راستی والی طبیعت سے امید ہے کہ اس کے بعد آپ اپنی جملہ تحریروں کو واپس لے لیں گے وہ یہ ہے کہ یہاں لفظ هذا معنی میں ذلک کے ہے یعنی اسم اشارہ قریب کے لیے نہیں بلکہ بعید کے لیے ہے اور اسم اشارہ قریب کا بعید کے لیے اور بعید کا قریب کے لیے لغت عرب میں مستعمل ہے۔ قرآن میں ہے ذلک المکتب لادیب فیہ اس کی تفسیر میں ابن عباس سے مروی ہے کہ ذلک معنی میں هذا کے ہے۔ ملاحظہ ہو تفسیر محمدی ترجمہ ابن کثیر پارہ اول ص ۱۴۴ پس جیسے ذلک معنی میں هذا کے آتا ہے ویسے ہی هذا معنی میں ذلک کے بھی مستعمل ہے۔ پس یہاں دوسری حدیثوں کی تشریح کے مطابق لفظ هذا معنی میں ذلک کے ہے۔ چنانچہ تفسیر محمدی ترجمہ ابن کثیر کے اسی صفحہ میں ہے یہ دونوں لفظ قائم مقام عربی زبان میں اکثر آتے رہتے ہیں۔ حضرت امام بخاریؒ نے البرعیۃ سے بھی یہی نقل کیا ہے۔ عربی کی تفسیر کے الفاظ بھی ملاحظہ فرمائیں فتاویٰ مستعلاں کلی متھما مکان الاخر و هذا معروف فی کلامہم وقد حکاہ البخاری عن معمر المثنیٰ عن ابی عبیدۃ جلد اول مصری ص ۱۴۔ مولانا کا سارا مدار اس لفظ پر تھا اور یہ لفظ دور کے اشارہ کے لیے بھی آتا ہے۔ اب وہ نیو ہی نہ رہی جس پر کشف کی یا شبیبہ کی یا حاضری کی عمارت کھڑی کی جائے۔

۱۱۔ قرآن میں ہے ذلکم اللہ ربکم تو کیا اس میں بھی اللہ تعالیٰ کا وجود سامنے موجود تھا جس کی طرف اشارہ ہوا۔

۱۲۔ حاشیہ تہذیب میں صراحت ہے کہ لفظ هذا سے اشارہ کبھی غیر موجود و غیر محسوس غیر شاہد کی طرف بھی ہوتا ہے۔ امید ہے کہ ان درجن بھر دیلوں پر مکرم حافظ صاحب مزید غور فرمائیں گے۔ والسلام اخبار محمدی یکم مارچ ۱۹۳۷ء

۱۔ چودہ سو برس کے بعد آنے والے کا پہچانا، اس کا حل ہم نے پہلے ہی کر دیا تھا۔ غالباً آپ کی نظر سے وہ مضمون نہیں گزرا۔ ہم نے لکھا تھا۔

”جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا وہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود باوجود کو دیکھ کر پہچان لیں گے کہ یہ خدا کے رسول ہیں۔ کیونکہ احادیث میں آیا ہے کہ مومن جب کہے گا کہ یہ اللہ کے رسول ہیں تو مفکر نکیر کہیں گے کہ تجھے کس طرح معلوم ہوا کہ یہ اللہ کے رسول ہیں تو وہ جواب میں کہے گا کہ میں نے اللہ کی کتاب پڑھی پس اس پر ایمان لایا اور ان کی تصدیق کی یعنی اللہ کی کتاب میں جو ان کے اوصاف یا ان کا علیہ بتایا گیا ہے اسے دیکھ کر مومن فرست ایمانی سے اندازہ کر لے گا کہ یہ وہی رسول ہیں جن پر میں ایمان لایا ہوں۔“

ہاں بعض اہل بیتوں کو اس میں تردد ہوتا ہے تو وہ اَمَحْتَدُ یا اَتَّحٰی رَجُلٌ کہہ کر سوال کرتی ہیں چنانچہ ابن مردویہ وغیرہ کی حدیث کے ذیل میں اس کی تفصیل ہو چکی ہے۔

۲۔ حضور قبر میں نہیں لائے جاتے بلکہ درمیان سے پردہ اٹھایا جاتا ہے۔ جس سے آپ میت کے سامنے ہو جاتے ہیں۔

۳۔ تنظیم مورخہ ۱۷ جنوری ۱۹۳۶ء میں تفصیل ہو چکی ہے کہ سوال کی چار صورتیں ہیں۔ ایک هذا الرجل (معرفہ) کے ساتھ خواہ اس کے ساتھ آپ کا نام یا کوئی صفت ہو یا نہ ہو۔ دوم رجل نکرہ کے ساتھ اس میں نام یا صفت کا ہونا ضروری ہے جیسے رجل یتقال له محمد ما هو سوم من کے ساتھ جیسے من نبیک یا من الرسول الذی

بعث الیک چہارم شہادت کے ساتھ ما شہادتک تفسیر ابن کثیر جلد ۵ ص ۲۹۵، ۲۹۶  
 یہ چاروں صورتیں الگ الگ ہیں۔ اگر ان سے من نبیؐ وغیرہ محکمات سے ہو  
 تو اس سے یہ کس طرح ثابت ہوا کہ ہذا کی صورت میں کشف نہیں۔ پھر ہذا کو متشابہ  
 کہنا یہ بھی ٹھیک نہیں۔ کیونکہ متشابہ وہ ہے جس کے معنی میں اشتباہ ہو اور اس کی تعین  
 نہ ہو اور ہذا کا معنی معلوم ہے۔ اس میں کوئی اشتباہ نہیں۔

۴۔ اس کا جواب نمبر ۲ میں آگیا ہے کہ آپ قبر میں نہیں لائے جاتے۔  
 ۶-۵۔ ہمارا مردوں کو یا چاند کو خطاب کرنا دنیوی معاملہ ہے اور فرشتوں کا، ہذا کے ساتھ  
 میت سے سوال کرنا اخروی معاملہ ہے۔ اس لیے اس کا قیاس مردوں کے یا چاند کے  
 خطاب پر صحیح نہیں ہے۔

۷۔ قبر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پھیرے کرنے کے قائل نہیں۔  
 ۸۔ بعض میتوں کو آپ کے چہرہ مبارک پر نظر پڑنے سے کچھ تر دہر رہتا ہے تو ان کے لیے  
 اوصاف کی ضرورت پڑتی ہے۔ چنانچہ ابن مردودہ وغیرہ کی حدیث کے ذیل میں گزر  
 چکا ہے۔

۱۰-۹۔ ہمیں معلوم نہیں ہوا کہ ہذا کے لفظی معنی لینے میں کون سے عقائد اسلام اور اجماع صحابہ  
 اور ضروریات دین فوت ہوتے ہیں اور ضمیر غائب سے غائب سمجھنا یہ مولوی عبد الجلیل  
 کی طرح آپ کی ڈبل غلطی ہے۔ اسی طرح اشارہ بعید کے کیے گئے معنی سے غائب  
 سمجھنا ڈبل غلطی ہے۔ دیکھیے آفتاب کتنی دور ہے مگر دن میں سامنے ہے غائب  
 نہیں۔ پھر ہذا کو ذلک کے معنی میں لینا مجاز ہے۔ اس کے لیے آپ نے اس  
 جگہ کوئی قرینہ بیان نہیں کیا۔ اگرچہ ہمارا یہ خیال نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
 واقعہ میں قریب ہوتے ہیں۔ ہاں یہ خیال ہے کہ میت کو قریب معلوم ہوتے ہیں لیکن  
 اگر ہذا کو ذلک کے معنی میں لینے پر کوئی قرینہ ہو تو ہم بعید کے قائل ہو جائیں گے۔  
 مگر اس سے غائب کا ثبوت کسی طرح نہیں ہوتا۔

۱۱۔ ذلک اللہ ربکم کا جواب وہی ہے جو امن هذا الذی هو جندکم کا اور بیان  
 ہوا ہے۔

۱۲۔ تہذیب کے حاشیہ میں جو کچھ لکھا ہے وہ مجازی معنی ہے جس کے لیے قرینہ کی



ضرورت ہے۔ حدیث میت میں کوئی قرینہ نہیں۔ پھر بلا قرینہ کیونکر مراد ہو سکتا ہے

پس درجن بھر دیلیں نام ہی کی ہیں۔ کلام کی نہیں۔ (عبداللہ امرتسری)

ناظرین اس بات کو بخوبی یاد رکھیں کہ ہم محدثین کے شیدائی ہیں اور ہمارا ہر وقت نصب العین ہی مثلہ ائمہ محدثین ہے۔ مگر جب ائمہ محدثین نے ایک مسئلہ میں کلام ہی نہ کی ہو اور کئی صدیوں بعد ایک حدیث کی تشریح میں علماء کا اختلاف ہو گیا ہو۔ ایک طرف علامہ عینی وغیرہ ہوں جو مکشوف ہونے کے قائل ہوں اور دوسری طرف حافظ ابن حجر وغیرہ ہوں جو اس کے خلاف ہوں۔ تو ان سے ایک جانب کو ائمہ حدیث کا مسلک قرار دے کر دوسری جانب اختیار کرنے والے پر مخالف محدثین کا الزام قائم کرنا یہ مولوی عبدالحلیل صاحب کی خوش فہمی ہے۔ ورنہ کسی اصول کے تحت یہ ائمہ محدثین کا اصول نہیں کہلا سکتا۔ کیونکہ ائمہ حدیث کا مسلک کوئی جدید امر نہیں بلکہ سلف سے چلا آتا ہے (اگر مولوی عبدالحلیل صاحب میں جوأت ہے تو سلف کا مسلک اس میں بتائیں۔ کیونکہ ائمہ محدثین کا مسلک سلف کی روش ہے۔ اگر سلف سے کسی ایک کا قول بھی اس حدیث کی تشریح میں ثابت ہو جائے۔ جس میں میت سے ہذا کے ساتھ سوال کا ذکر ہے یا کسی حدیث میں اس امر کی تصریح ثابت ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبر میں مکشوف ہو کر سامنے نہیں ہوئے تو ہم آج ہی اپنے خیال سے رجوع کر لیں گے۔ لیکن جہاں دونوں باتوں میں سے ایک بھی ثابت نہ ہو۔ نہ کسی حدیث میں ان کی تصریح ہو نہ کسی سلف کا قول اس کی تشریح میں ثابت ہو تو ویسے ہی ائمہ محدثین کے خلاف رٹ لگاٹے جانا یہ سراسر اپنی خفت کرنا ہے۔)

حافظ ابن حجر نے فتح الباری ج ۲ ص ۸۵ میں لکھا ہے۔

لما اختلف الصحابة وجب الرجوع الى المرفوع یعنی جب صحابہ کا اختلاف

ہو تو مرفوع کی طرف رجوع واجب ہوتا ہے۔

جب صحابہ میں اختلاف پیدا ہونے کی صورت میں مرفوع کی طرف رجوع واجب ہوتا ہے تو ساتویں آٹھویں صدی میں اختلاف پیدا ہونے کی صورت میں مرفوع کی طرف رجوع واجب نہ ہوگا۔ اگر واجب ہوگا تو بتائیے آپ نے کون سی مرفوع حدیث اس مسئلہ میں فیصلہ کن پیش کی ہے۔ تین مرتبہ تعاقب میں فیصلہ کن حدیث ایک بھی پیش نہیں کی نہ سلف سے کسی کا مسلک اس حدیث کی تشریح میں پیش کیا۔ خود ہی حافظ ابن حجر وغیرہ کے خیال

ائمہ محدثین کا مسلک بنا رہے ہیں۔ اور آپ ہی حافظ ابن حجرؒ کی مخالفت کر رہے ہیں۔ یہ دورنگی کیسی؟

دورنگی چھوڑ کر یک رنگ ہو جا  
سراسر موم ہو یا سنگ ہو جا

قبر میں میت سے جب ما تقول فی هذا الرجل الفاظ سے سوال کیا جاتا ہے تو  
هذا کا مشاڑ الیہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف ہیں یا آپ کی ذات مبارک ہے۔ حضرت  
محدث روپڑی نے دوسرے معنی کو ترجیح دی ہے۔ اس لیے کہ هذا کا مشاڑ الیہ محض مبصر  
اور قریب ہوتا ہے یہ هذا کا حقیقی معنی ہے۔ علم برزخ میں هذا کا حقیقی معنی نہ  
عادت کے خلاف ہے نہ شاہد کے۔

زیر نظر مضمون میں محدث روپڑیؒ نے مولانا عبد الجلیل کے تعاقب کا جواب دیتے ہوئے  
لکھا ہے کہ ما تقول فی هذا الرجل کی تفسیر میں نہ کوئی مرفوع حدیث ہے اور نہ سلف میں  
سے کسی کا قول جس میں ہو کہ هذا کا مشاڑ الیہ صفات سے ذات نہیں۔ چنانچہ آپ  
لکھتے ہیں ۱۔

اگر میرے اڑنے کے یہ معنی ہیں کہ میں اپنے خیال پر قائم ہوں تو اس معنی سے آپ  
بھی اڑے ہوئے ہیں۔ پھر آپ کا یہ کہنا کہ عدم کشف اصل ہے۔ اگر اس کا یہ مطلب ہے کہ  
محکمت میں پہلے عدم ہوتا ہے اور وجود کے لیے علت کی ضرورت ہے تو یہ درست ہے  
مگر یہاں اس کا کوئی تعلق نہیں۔ اور اگر یہ مطلب ہے کہ وجود پر دلیل نہ ہو تو عدم کا اعتقاد  
رکھنا چاہیے تو یہ اس محل میں بالکل غلط ہے کیونکہ آنحضرتؐ کا معاملہ ہماری آنکھوں سے غائب  
ہے ہم اپنے خیال سے دکشف کہہ سکتے ہیں۔ نہ عدم کشف اسی بنا پر مولانا اسماعیل شہیدؒ  
فرماتے ہیں۔

ما اثبتہ الشارع فهو ثابت وما نفاہ فهو منعی وما سکت عنه فهو

بین ان یکون و بین ان لا یکون۔

یعنی جو شے شارع نے ثابت کی وہ ثابت ہے اور جس شے کی نفی فرمائی وہ غیر ثابت  
ہے اور جس سے سکوت کیا وہ محتمل ہے ہو یا نہ ہو۔

(جاری ہے)

# عرب ممالک سے پاکستان میں نایاب کتب کی درآمد

۷۵۰/-	البدایہ والنہایہ لابن کثیر کامل مجلد	۱۲۰۰/-	تفسیر قرطبی کامل مجلد
۱۱۰۰/-	تہذیب التہذیب کامل مجلد	۱۲۰۰/-	تفسیر طبری مع نیشاپوری کامل مجلد
۷۰۰/-	لسان المیزان کامل مجلد	۳۵۰/-	تفسیر کشاف کامل مجلد
۱۲۵/-	خلاصہ تہذیب الکمال	۱۲۰۰/-	تفسیر کبیر امام رازی مع ابو مسعود کامل مجلد
۸۰۰/-	شذرات الذہب لابن عماد	۲۲۵/-	احکام القرآن لمصاحف کامل
۱۷۵/-	الروافضیین فی اخبار ووشیین	۱۰۰/-	احکام القرآن للشافعی کامل مجلد
۳۵۰/-	مشکل الآثار طحاوی	۹۰۰/-	المستدرک للحاکم کامل مجلد
۸۰۰/-	کشف الظنون مع ذیل	منہاج امام احمد بن حنبل	
۸۰۰/-	حلیۃ الاولیاء لابن نعیم ذیل	۷۵۰/-	مع منتخب کنز العمال کامل مجلد {
۹۴/-	دلائل النبوة لابن نعیم	۲۲۰۰/-	کنز العمال علی سنن اقوال کامل مجلد
۱۰۰/-	البدیع الطالع للشوکانی	۲۰۰۰/-	سنن کبریٰ بیہقی کامل مجلد
۵۵۰/-	الاصابہ فی تہذیب الصحابہ	۱۲۰۰/-	عمدة القاری شرح بخاری کامل مجلد
۷۵۰/-	مع الاستیعاب فی معرفة الاصحاب	۱۲۰۰/-	فتح الباری شرح البخاری کامل مجلد
۷۰۰/-	المدة الکبریٰ امام مالک	ارشاد و اشاری شرح بخاری	
۱۲۰/-	زاد المعاد لابن نعیم مجلد	۹۰۰/-	مع صحیح مسلم بشرح ذہبی کامل مجلد {
۵۵/-	افشاء اللہن لابن نعیم مجلد	۱۵۰۰/-	لسان العرب فی لغة العربیہ کامل مجلد
۳۵۰/-	تذکرۃ الحفاظ مع ذیل	۱۷۰۰/-	المبسوط للسرطسی کامل مجلد
۹۴/-	کتاب المجروحین لابن حبان	۱۴۰۰/-	تاریخ بغداد للخطیب کامل مجلد
۱۰۰۰/-	المغنی لابن قدامہ	۶۴۰/-	تاریخ الکبیر امام بخاری کامل مجلد
۹۰۰/-	تفسیر بحر المحیط کامل	۸۵۰/-	البحر و التحدیل لابن ابی ناتم کامل مجلد
۱۵۰/-	المدخل لابن الحاج مالک	۷۵۰/-	الطبقات الکبریٰ لابن سعد کامل مجلد

محمد شفیع مدیر مکتبہ علوم عربیہ تاجر کتب

ڈی- 2563 - کوپہ ڈوگرال، اندرون شاہ عالمی، نواں بازار لاہور

# حدیث نبوی دین میں محبت ہے

## اس سے انحراف بے دینی اور الحاد ہے

زمانہ طالب علمی میں جب یہ حدیث پڑھی "من آخیا سنتی عند فسادا معنی فلہ اجد مائتہ شہید" یعنی جو شخص میری امت میں فتنہ و فساد کے موقع پر میری سنت کا احیاء کرے گا تو اسے سو شہید کے برابر ثواب ملے گا۔ اس وقت نو عمری کا زمانہ تھا۔ علم و عقل میں بچگی نہیں تھی۔ بنا بریں یہ بات میرے فہم و ادراک سے بالاتر رہی کہ ایک چھوٹی سی سنت جیسے رفع الیدین فی الصلوٰۃ وغیرہ پر عمل کرنے سے سو شہید کا ثواب کیسے ملے گا آج سب کچھ معلوم ہو رہا ہے اور عقل و دانش اس امر کے گواہ ہیں کہ واقعی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا احیاء میں اتنا ثواب ہونا چاہیے۔

چنانچہ آج کے دور میں جیسے جدید دور سے تعبیر کیا جاتا ہے جس قدر سنت نبوی سے بے اعتنائی برتی جا رہی ہے اتنی کسی اور چیز سے نہیں برتی جا رہی چنانچہ بعض لوگوں کو سنت نبوی کی پیروی کرنے کی وجہ سے مسجدوں سے نکالا گیا اور سنت سے انکار و انحراف کی واحد وجہ یہ ہے کہ ان کے امام صاحب سے یوں نماز پڑھنا ثابت نہیں۔

کچھ لوگ حدیث اور سنت کے معاملہ میں اس قدر افراط و تفریط سے کام لیتے ہیں کہ ہر عربی عبارت کو حدیث تصور کرتے ہیں۔ ہر قصہ کہانی کی کتاب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی معجزہ، کوئی واقعہ یا کوئی فرمان سنت ہے تو اسے آنکھیں بند کر کے حدیث نبوی تصور کرتے ہیں اور اسے تسلیم نہ کرنے والے پر الزام لگاتے ہیں کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث لگا منکر ہے۔ یہ گستاخ اور بے ادب ہے، وغیرہ۔ بعض سراسر موضوع احادیث کو صحیح مرفوع احادیث سے مقدم سمجھتے ہیں۔

چنانچہ محدثین نے صحیح اور موضوع احادیث کی تمیز کرنے کے لیے چند اصول مقرر کیے۔ ان

کے مطابق حدیث کی جرح قدح کرنے کے بعد اگر ان کے اصولوں کے مطابق بودی اتری تو اسے صحیح تصور کیا اور اس میں کوئی نقص یا خامی نظر آئی تو اس پر ضعف کا حکم لگایا۔ اگر علیحدہ ان اصولوں کے خلاف نظر آئی تو اسے موضوع قرار دیا۔ یہ ایک سیل علم ہے۔ اس کے لیے نہایت جانفشانی سے کام لینا پڑتا ہے۔ پھر گوہر مقصود حاصل ہوتا ہے۔ بعض لوگ سنت نبوی سے انحراف کے لیے یہ بہانہ تراشتے ہیں کہ یہ حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آج سے چودہ سو سال پہلے ارشاد فرمایا تھا۔ اس وقت کے واقعات اور ملفوظات کو محفوظ رکھنے کے لیے سوائے انسانی دماغ کے اور کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ وہ اسے محفوظ رکھنے کے قابل نہیں۔ جب ہم کسی شخص کی کلام سنتے ہیں تو اس کے الفاظ بعینہ ہمارے دماغ میں محفوظ نہیں رہتے۔ پھر جب ہم کسی اور کو یہی کلام سنتے ہیں تو وہ بھی بعینہ ہمارے کلام کو یاد رکھنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ اس طرح تیسرے شخص تک پہنچنے کے بعد واقعہ کے اصل الفاظ اور مفہوم بالکل بدل جاتے ہیں اور آج چودہ سو سال کے بعد ہم کیسے کہہ سکتے ہیں کہ یہ الفاظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلے ہیں۔ نابریں حدیث ظنی اور ناقابل عمل ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات ان لوگوں کے لیے تھے جن میں آپ تشریف لائے تھے۔ آج دنیا کے طور و اطوار بدل چکے ہیں

## دعائے صحت کے لیے اپیل

راغب شیخ پوری صاحب کے والد محترم استاذ العلماء لقیۃ السلف حضرت مولانا عمر الدین صاحب صنف دھیرا ڈوگرالے ضلع شیخوپورہ والے عرصہ سے علیل ہیں اور آج کل صاحب فراش ہیں۔ احباب اہل حدیث سے بالعموم اور اُن کے فیض یافتگان سے بالخصوص درخواست ہے کہ وہ مولانا موصوف کے لیے خلوص قلب سے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں صحت عطا و کاملہ عطا فرمائے۔ اور حیاتِ اسودگی اور راحت نصیب فرمائے۔

آمین ثم آمین



تہذیب و تمدن میں دنیا کیسے سے کہیں پہنچ چکی ہے۔ اس لیے آج آپ کے وہ فرمودات جو عرب کے جاہل بدوؤں کے لیے تھے ہمارے لیے کچھ سودمند نہیں۔

حقیقت ہے کہ یہ سب کچھ بہانہ سازی اور حیلہ تراشی ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صرف عرب کے ناخواندہ لوگوں کے لیے تشریف لائے تھے یا تمام روئے زمین پر قیامت تک آنے والی نسلوں کے لیے مبعوث ہوئے تھے۔ اگر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کو صرف عرب کے بدوؤں تک محدود سمجھا جائے تو پھر اللہ کا فرمان قل یا ایہا الناس انی رسول اللہ ایسکو جمیعاً کا کیا مطلب ہوا؟ وما ادرسلک الا رحمة للعالمین کے کیا معنی ہوں گے۔ اگر آپ کی رسالت قیامت تک کے لوگوں کے لیے ہے تو پھر آپ کی سنت سے گریز کیوں؟ اگر سنت سے انحراف کیا جائے تو پھر رسالت تسلیم کرنے کا کیا مطلب ہوا؟ اور وما اتاکم الرسول فخذوا وما نہاکم عنہ فانتہوا پر کیسے عمل ہوگا؟ اس لیے سنت نبوی کو دین میں حجت تسلیم کرنا پڑے گا بلکہ حقیقتاً دین یہی ہے جیسے علامہ اقبالؒ نے فرمایا ہے۔

مصطفیٰ رساں خویش کو دین ہمارا دست  
ہگر باوند رسیدی تمام بولہبی دست

چنانچہ اسی سلسلہ میں ڈاکٹر محمد ابو شہبہ کا مضمون الاستغناء بالقول عن السنة جہل و حماقة مجملہ رابطہ عالم اسلامی کے کچھ شماروں میں ۱۹۶۹ء میں شائع ہوا تھا۔ وہ اردو کے قالب میں ڈھال کر قارئین کرام کے مطالعہ کے لیے اور احیاء سنت کا ثواب حاصل کرنے کی غرض سے پیش خدمت ہے۔

(سیف الرحمن الفلاح بی۔ اے)

## دین میں سنت نبوی سے روگردانی

### جہالت اور الحاد ہے۔

اس اہم بحث کا آغاز کرنے سے پیشتر جس کی مسلمانوں کو شدید ضرورت ہے۔ خاص کر موجودہ دور میں جس میں باطل قیاس آرائیوں اور گمراہ کن خواہشات کے ریلے چاروں طرف سے انسان کی سب سے قیمتی متاع ایمان پر یلغار کر رہے ہیں۔ حتیٰ کہ حق و باطل کے مابین کوئی امتیاز نہیں رہا اور صواب و خطا کی پہچان کے لیے کوئی کسوٹی نہیں رہی۔ یہ امر محض معلوم

ہوتا ہے کہ ایک مقدم پیش کروں جس میں حدیث اور سنت کی تعریف اور ماہیت بیان کروں تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ ان دونوں سے کیا مراد ہے اور فاری اسے محبت بنا سکے۔ تو اللہ کی توفیق اور مدد کے ساتھ میں بیان کرتا ہوں۔

حدیث کے لغوی معنی نئی چیز کے ہیں۔ یہ قدیم کا ضد ہے اس کا اطلاق حدیث کے کہتے ہیں | لوگوں کی باتوں پر بھی ہوتا ہے۔ خواہ وہ باتیں کم ہوں یا زیادہ۔ چنانچہ اللہ عز و جل کا ارشاد ہے۔

اَمْ يَقُولُونَ قَوْلًا سَاحِرًا غَلِيظًا ۚ فَلْيَاۡتُوا بِحَدِيۡثٍ مِّثْلِهٖ ۚ اِنْ كُنَّا صَادِقِيۡنَ ۙ اِلٰى طَوۡرٍ ۙ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا ۚ كُنتُمْ تَقۡرَءُوۡنَ ۙ اِنَّ اللّٰهَ ۙ اَعۡلَمُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ ۙ (یوسف ۲۱) (یہ قرآن پاک اللہ کی طرف سے نازل شدہ کتاب نہیں بلکہ) اس (نبی صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنی طرف سے من گھڑت باتیں بنائی ہیں۔ اچھا اگر وہ اپنے اس دعوے میں سچے ہیں تو ایسی کلام پیش کریں۔

حدیث کا اطلاق کلام پر بھی ہوتا ہے کیونکہ یہ وقتاً فوقتاً معرض وجود میں آتی رہتی ہے۔

محدثین کی اصطلاح میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات و افعال اور ایسے اقوال و افعال جو آپ کی موجودگی میں کیے گئے ہوں اور آپ اسے پسند فرمائیں یا ان سے منع نہ کریں یا ایسے افعال و اقوال جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں نہ کیے گئے ہوں مگر جب آپ کو ان کی اطلاع ہو تو آپ خاموشی اختیار فرمائیں اور آپ کی حسنِ خلقت اور حسنِ خلق کی صفات کے مجرور کو حدیث کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ پھر محدثین نے حدیث کو تین اقسام میں منقسم کیا ہے۔ ۱۔ قولی حدیث۔ ۲۔ فعلی حدیث۔ ۳۔ تقریری حدیث۔ قوطی حدیث۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اقوال و فرمودات قولی حدیث ہیں۔ ان کا شمار بہت مشکل امر ہے۔ ایسی حدیثوں کی مثال مندرجہ ذیل حدیثیں ہیں۔

۱۔ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ۔ صحیحین۔

۲۔ الْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَبَدَنِهِ۔ صحیحین۔

۳۔ الْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبَنِيَانِ يَشْتَدُّ بَعْضُهُ لِبَعْضٍ وَشَبَكَ بَيْنَ اَصَابِعِهِ (صحیحین) فعلی حدیث ہے۔ اس سے مراد وہ افعال ہیں جو آپ نے زندگی بھر کیے۔ ان کا شمار بھی ناممکن ہے۔ اس کی مثال وہ حدیثیں ہیں جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصف، یتیم، غفل

اندازہ وغیرہ کی کیفیت بیان کرتی ہیں۔ جیسے امام بخاریؒ نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے۔ "توضا النبی صلی اللہ علیہ وسلم مرتۃ مروتۃ۔ صحیح بخاری ص ۲۔"

نیز حضرت عبداللہ بن زید بن عبد ربہ سے، جس کا لقب صاحب رویا الاذان ہے، کی روایت سے بیان کیا ہے۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم توضا مرتین مروتین ص ۲۔

اس کی مانند وہ حدیث ہے کہ صحابی کہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ جیسے بخاریؒ نے اپنی صحیح بخاری میں ابو قتادہ سے روایت کی ہے کہ حضرت مالک بن حویرثؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے کہا: سنو! میں تمہیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی خبر سناتا ہوں۔ اس وقت نماز کا وقت نہیں تھا۔ چنانچہ مالک بن حویرثؓ اٹھے اور نماز کے لیے تکبیر تحریمہ کہی۔ پھر دعوے استفتاح ادا قرأت وغیرہ کے بعد رکوع کے لیے تکبیر پڑھی اور رکوع کیا۔ پھر قوم کے لیے سراد پر اٹھایا۔ حقوڑی دیر قیام کرنے کے بعد سجدہ کیا۔ پھر سراد پر اٹھایا اور حقوڑی دیر قیام کرنے کے بعد سراد پر اٹھایا..... آخر حدیث تک۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال کی حکایت بیان کرنے میں کثرت سے احادیث

وارد ہوئی ہیں۔

تقریر کے حدیث سے۔ اس کی تعریف علمائے محدثین نے یوں کی ہے کہ کوئی شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں کوئی کام کرے یا کوئی بات کرے اور آپ اس کے فعل یا قول کا انکار نہ کریں۔ یا یہ کام یا بات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں نہ ہو لیکن اس قول یا فعل کی آپ کو خبر پہنچ گئی ہو اور آپ اس پر خاموشی اختیار نہ فرمائیں۔ تو یہ خاموشی اس قول و فعل کی توثیق کرتی ہے۔ اس سے اسے شرعی حیثیت حاصل ہو جانے گی۔ کیونکہ یہ بات تو ناممکن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی غیر مشروع امر پر خاموشی اختیار کریں۔

اس کی مثال یوں ہے جیسے ابو داؤد، دارقطنی اور حاکم نے حضرت عمرؓ بن عباسؓ کا قصہ جو جنگ ذات السلاسل میں پیش آیا تھا، بیان کیا۔ وہ یوں ہے کہ حضرت عمرؓ بن عباسؓ اس جنگ کے موقع پر رات کو ناپاک ہو گئے۔ اس وقت سردی سے جسم کا نپ رہا تھا۔ اس لیے انھوں نے غسل نہ کیا بلکہ نیم پراکتفا کیا۔ اسی حالت میں باقی صحابہ کے ساتھ نماز پڑھی۔

۱۔ پھر جب وہ آئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو صحابہ کرام نے ان کا تمام ماجرا بیان کیا۔ آپ نے پوچھا۔ اے عمار! تو نے جنابت کی حالت میں نماز کیوں پڑھی؟ تو نے غسل کیوں نہ کیا؟ اس نے عرض کی یا حضرت! میں نے ہلاکت کے ڈر سے غسل نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔ وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ دَحِيماً۔ النساء: ۲۹۔ تم اپنی جانوں کو خواہ مخواہ ہلاکت کے گڑھے میں مت ڈالو۔ اللہ تعالیٰ تو تم پر مہربان ہے (دو تھیں ایسے حکم ہرگز نہیں دینا چاہتا جس کی تعمیل میں تم اپنی جان سے ہاتھ دھولو) یہ سن کر آپ خاموش ہو گئے اور اسے کوئی سرزنش نہیں کی بلکہ بعض روایات میں ہے کہ آپ نے تبسم فرمایا۔

یہ بات اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جو کام حضرت عمرو بن عاصؓ نے کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بنظر رضا اور استحسان دیکھا۔  
امام بخاریؒ نے اپنی کتاب صحیح بخاری کتاب التیمم میں یوں باب باندھا ہے۔ باب إِذَا خَافَ الْجَنْبَ عَلَى نَفْسِهِ الْمَذْضَ أَوْ الْمَوْتَ أَوْ خَافَ الْعَطَشَ تيمم۔ پھر اس نے اصل قصہ صیغہ تصنیف کے ساتھ بیان کیا ہے۔  
اس کی ایک اور مثال سنیے!

امام بخاریؒ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا واقعہ بیان کیا ہے کہ آپ ایک دفعہ حضرت فاطمہؓ کے گھر تشریف لے گئے۔ وہاں حضرت علیؓ موجود نہ تھے۔ حضرت فاطمہؓ نے دریاٹ کیا کہ حضرت علیؓ کہاں گئے ہوئے ہیں؟ انھوں نے بتایا آبا جان! وہ ناراض ہو کر گھر سے باہر چلے گئے ہیں اور دوپہر کا قیلوہ بھی میرے پاس نہیں کیا۔ چنانچہ آپ نے ان کی تلاش میں ایک آدمی بھیجا۔ وہ تلاش کرتا ہوا مسجد میں پہنچ گیا۔ وہاں پر حضرت علیؓ کو برہنہ پیٹھ سوئے ہوئے دیکھا۔ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ حضرت علیؓ مسجد میں لیٹے ہوئے ہیں۔ آپ وہاں تشریف لائے اور حضرت علیؓ کو دیکھ کر بطور ملاحظت فرمایا۔ اے ابوتراب! اٹھو! آپ نے حضرت علیؓ کے مسجد میں سونے پر اعتراض نہیں کیا۔ صحیح بخاری ۳۳۔

اس حدیث سے امام بخاریؒ نے یہ استدلال پکڑا ہے کہ مردوں کے لیے مسجد میں سونا جائز ہے۔ اور کتاب الصلوٰۃ میں باب باندھا ہے۔ باب نَوْمُ الرَّجَالِ فِي الْمَسْجِدِ۔

اور اسی قسم کا یہ واقعہ ہے جو امام بخاریؒ نے صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہؓ سے نکاح کرنے کے بعد حب ان کے پاس نشریف کے جاتے تو وہ گڑیوں سے کھیل رہی ہوتیں۔ یہ گڑیاں ادن کی بنی ہوئی تھیں۔ چونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ کو گڑیوں سے نہیں روکا۔ اس سے اس امر کی توثیق ہو گئی۔ چہرہ نے اس سے یہ استدلال پکڑا ہے کہ نابالغ لڑکیوں کے لیے گڑیاں کھیلنا جائز ہے اور یہ شارح علیہ السلام کی نہایت نرمی اور شفقت کی نشانی ہے۔

**خلق صفات:** آپ سب لوگوں سے زیادہ بہادر اور زیادہ سخی تھے۔ غیروں کے سامنے تواضع سے پیش آتے اور ان پر شفقت فرماتے۔ مسکینوں، یتیموں، بیواؤں کی مدد فرما اور ان پر نرمی اور شفقت سے پیش آتے، ان کے پاس بیٹھتے اور ان سے باتیں کرتے کہ اپنی شان کے خلاف نہ تصور کرتے۔ آپ تمام لوگوں سے زیادہ تحمل مزاج اور بردبار تھے۔ دشمن پر غلبہ پانے کے بعد اسے معافی دے دیتے تھے اور دیگر اخلاق حسنہ کا مجسمہ پکڑتے تھے۔

**خلق صفات:** صحیح اور حسن احادیث میں مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا رنگ سفید سرخی مائل تھا آپ نہ زیادہ طویل تھے نہ بہت قصید جب آپ زمین پر چلتے تو یوں معلوم ہوتا تھا جیسے آپ اونچی جگہ سے نیچے کو اتر رہے ہیں۔ آپ کے بال نہ بہت گھنگھریلے تھے نہ بالکل سیدھے۔ اس کے علاوہ آپ کی اور کئی صفات حدیثوں میں مذکور ہیں۔ صحیح بخاری باب صفة الرسول۔ اس معنی کے لحاظ سے حدیث کا اطلاق صرف اس پر ہوگا جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک مرفوع ہو بعض محدثین کی یہی رائے ہے۔ انھوں نے اپنی کتابوں میں اپنی رائے کا اظہار کیا ہے چنانچہ امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ اسی گروہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

بعض علمائے حدیث کی تعریف میں صحابہ کرامؓ اور تابعین کے اقوال کو بھی شامل کیا ہے۔ یہ ان کی اصطلاح ہے جو قبول کرنے کے لائق ہے۔ چہرہ محدثین کی کارروائی بھی اس کی تصدیق کرتی ہے کیونکہ انھوں نے اپنی کتابوں میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرامؓ اور تابعین کے اقوال و افعال اور ان کی تقریرات کو اکٹھا کیا ہے۔

**سنت:** سنت کے لغوی معنی طریقہ ہے۔ "المصباح المنیر" میں ہے "السنة طريقة"

لہ کتاب الادب باب الانبساط الى الناس والدعا بجمع الھل۔



یعنی سنت سے مراد طریقہ ہے۔

سنت کا اطلاق سیرت پر بھی ہوتا ہے خواہ اچھی ہو یا بری۔ لیکن مطلق سنت سے مراد اچھی سیرت ہوگی۔ جب اسے برائی کے معنی میں استعمال کیا جائے تو اس پر قید لگائی جائے گی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مندرجہ ذیل فرمان اس امر کا شاہد ہے کہ یہ اچھا فی اور برائی دونوں پر مشتمل ہے۔

من سن فی الاسلام سنتہ حسنة فله ثوابا وثواب من عمل بها الی یوم القیامة ومن سن فی الاسلام سنتہ سیئة فعليه دوزخا ودوزخ من عمل بها الی یوم القیامة۔ رواہ - سلو۔

جو شخص اسلام میں اچھی عادت کا رواج ڈالتا ہے تو اسے اس کا ثواب ہوگا اور دیگر لوگ جو اس پر عمل کریں گے ان سب کا اسے ثواب ملے گا اور جو شخص اسلام میں بری عادت کو رواج دیتا ہے تو اسے اس کا گنہ ہوگا اور جو لوگ قیامت تک اس بری عادت کو جاری رکھیں گے سب کا بوجھ اس کی گردن پر ہوگا۔

محدثین کی اصطلاح میں سنت سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال، افعال اور جو امور آپ کی موجودگی میں کیے گئے یا جو باتیں آپ کے سامنے ہوئیں اور آپ نے ان پر خاموشی اختیار فرمائی اور آپ کی جسمانی صفات اور خلقی صفات کے مجموعے کا نام حدیث ہے۔ بعض علماء نے صحابہ کرام اور تابعین عظام کے اقوال و افعال کو اس میں شامل کیا ہے۔ اس کے لیے بطور استشاد ابو داؤد اور جامع ترمذی کی وہ حدیث بیان کرتے ہیں جس کے راوی حضرت عراب بن ساریہ ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ علیکم بسنتی و سنتہ الخلفاء الراشدین المہدیین۔

یعنی میری اور میرے خلفائے راشدین ہدایت یافتہ کی سنت کو لازم پکڑو۔ اس کی اسناد صحیح ہے۔ اس لحاظ سے یہ حدیث کے ہم معنی ہے۔

بعض علماء کا خیال ہے کہ حدیث رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات اور افعال کے ساتھ خاص ہے۔ اور سنت آپ کے اقوال، افعال، تقریرات، طغفات، سکنت، حرکات، نوم، بیداری وغیرہ پر مشتمل ہے۔ اس لحاظ سے حدیث اور سنت میں خاص اور عام کی نسبت ہوگی۔ لیکن سنت کو حدیث کے ہم معنی تصور کرنا زیادہ قرین قیاس ہے۔ میرزا قاسم رحمان بھی اس طرف ہے۔ اہل اصول کی اصطلاح میں سنت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال اور تقریرات

کے منجر سے کا نام ہے۔ ان کی تعریف پہلے محدثین کے مانند ہے۔

قہد کے نزدیک سنت واجب کے مقابلہ میں ہے۔ اس کے کرنے والے کو تواب ہوتا ہے اور اس کے نہ کرکے کو کوئی سزا یا عذاب نہیں۔

شرعیات کی زبان میں سنت وہ کام ہے جو باعزت کے مقابلہ میں آئے۔ اس صورت میں عام ہو گا خواہ وہ مشروع کلام واجب ہو یا غیر واجب۔

یہاں پر اس سنت کے متعلق بحث کی جائے گی جو حدیث کے ہم معنی ہے اور اسی کے موافق ہے۔ اس لحاظ سے حدیث اور سنت دونوں ایک ہی سہی کے دو نام ہیں اور دونوں سے مراد ایک ہی چیز ہے۔

دین میں حدیث اور سنت کی اہمیت

شرعیات اسلامیہ کا مرجع اور منبع دو امور ہیں۔

(۱) قرآن کریم (۲) حدیث نبوی۔

اصلی قول :- قرآن کریم اللہ تعالیٰ نے تقریباً بائیس سال میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا۔ نزول قرآن کی ڈیڑھ سو برس پر حضرت جبریل مامور تھے۔ انھوں نے لفظاً و معنیاً پورا قرآن پاک اللہ کی جانب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کائنات بیداری نازل کیا۔ یہ بذریعہ وحی علی نازل ہوا۔ یہ نمینہ میں یا الہام کے ذریعہ سے نازل نہیں ہوا۔ اسی لیے اس کا ایک ایک حرف بعینہ محفوظ ہے اور اس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعینہ سارا قرآن پاک اپنی امت کے کانوں تک پہنچایا اور اس میں سے ایک ایک آیت بلکہ ایک لفظ تک نہیں چھپایا۔

یہ نہ حضرت جبریل کی کلام ہے اور نہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بلکہ یہ کلام الہی ہے  
حضرت جبریل علیہ السلام کے ذمے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا تا تھا اور رسول کریم  
صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمے اپنی امت کے موجود لوگوں کے کانوں تک پہنچا تا تھا۔ چنانچہ آپ  
نے صحابہ کرام تک اپنی آواز قرآن کریم کے ساتھ پہنچائی۔ پھر صحابہ کرام سے ہزاروں تابعین

۱۰ اس کی تحقیق کے لیے ”المدخل لدراسة القرآن“ دیکھیے۔

سیکھا۔ پھر تابعین سے لاکھوں تبع تابعین نے قرآن کریم سیکھا۔ اسی طرح ہر زمانہ کے لوگوں نے سیکھا جتنی کہ پہلے سے پاس بعینہ اس طرح پہنچ گیا جیسے اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا تھا۔ یہ تو اترا اس کے قطعی اور یقینی ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ ایسا تو اردنیہ کی کسی اور کتاب کے لیے، خواہ وہ قدیم ہو یا نئی، ہرگز ثابت نہیں۔ یہ صرف قرآن پاک کو شرف حاصل ہے کہ جیسا وہ نازل ہوا قیامت تک ویسا محفوظ رہے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اَنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاَنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ۔ (الحجر)

ہم نے اس قرآن کریم کو نازل کیا ہے اور اس کی حفاظت کرنا بھی ہماری ذمہ داری ہے۔ اصل ثانی سنت اور حدیث ہے۔ شریعت کے اصولوں میں قرآن کریم اصل اول ہے اور سنت اصل ثانی ہے۔ یہ بات اہل اصول کی اس بات کے خلاف نہیں کہ شریعت کے احکام کی بنیاد چار اصولوں پر منحصر ہے۔

۱۔ کتاب - ۲۔ سنت - ۳۔ اجماع - ۴۔ قیاس۔

کیونکہ اجماع کے لیے ضروری ہے کہ وہ حقیقہ اور نفس الامر میں قرآن کریم یا سنت نبوی سے مستند ہو۔ خواہ ہمیں ایسا معلوم نہ ہو۔ اسی طرح قیاس کے لیے بھی ضروری ہے کہ مقیس علیہ موجود ہو۔ وہ قرآن پاک ہو گا یا حدیث۔ اس طرح شریعت اسلامیہ کا مرجع دو چیزیں رہ گئیں قرآن یا سنت یا ایسی بات جو ان دونوں کی طرف مستند ہو۔

## سنت اور حدیث کی اہمیت قرآن پاک کی نظر میں

قرآن کریم کی نظر میں حدیث کا مرتبہ اس کے شارح کا ہے۔ وہ مبہم کی وضاحت کرتی ہے مجمل کی تفصیل بیان کرتی ہے۔ مطلق کو متعین کرتی ہے اور عام کو خاص کرتی ہے۔ موجز کو شرح و بسط کے ساتھ بیان کرتی ہے۔

اگر قرآن کریم تمام امور پر شرح و بسط کے ساتھ شتمل ہوتا تو یہ موجودہ قرآن پاک سے کئی گنا بڑا ہوتا۔ اگر یہ معاملہ ہوتا تو امت کے لیے اس کا حفظ کرنا مشکل امر تھا۔ یہ صرف امت محمدیہ کو شرف حاصل ہے کہ اس نے اپنے پروردگار کی کتاب کو لفظ بلفظ یاد کیا ہوا ہے۔ پہلی امتیں اس شرف سے محروم تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو امت محمدیہ کی طرف مبعوث فرما کر ان پر بڑا احسان فرمایا۔ کیونکہ ان کے ذریعے قرآن کریم جیسی بے نظیر فصیح اور بلیغ کتاب انھیں

غنا بیت کی جب اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کو اپنے پیارے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا تو ان کی ڈیوٹی لگائی کہ اس کتاب کی تشریح اور توضیح آپ کے ذمے ہے۔ یہ کام آپ کے سپرد اس لیے کیا کہ آپ بھی دیگر انبیاء کی طرح جھوٹ، خیانت اور غلط بات کہنے سے محفوظ تھے۔ خصوصاً تبلیغ کے معاملہ میں آپ کو کبھی سہو نہیں ہوئی۔ اس سے اس امر کی تصدیق اور تائید ہوتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تو لا یا فعلاً جو کچھ صادر ہوتا ہے وہ اس کی تشریح اور بیان ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا۔

يَا أَيُّهَا الرِّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا يَلْفُتْ رِسَالَتَهُ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ۔ (الاعقاب)

اے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم! آپ پر جو کچھ (قرآن کریم) آپ کے رب کی طرف سے نازل ہوا ہے اسے لوگوں تک پہنچا دیجیے۔ اگر آپ نے اس معاملہ میں کوتاہی سے کام لیا تو (رب) یاد رکھیے! آپ نے تبلیغ کا حق ادا نہیں کیا (آپ تبلیغ کے معاملہ میں کسی سے ڈریئے نہیں) اللہ آپ کی حفاظت کرے گا۔

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضُ الْأَقَادِيلِ لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ فَمَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِينَ۔ (العاقۃ)

اگر وہ ہمارے متعلق جھوٹی باتیں ذکر کرتے تو ہم انھیں دائیں ہاتھ سے پکڑ کر ان کی شاہ گار کاٹ ڈالتے پھر تم میں سے کوئی بھی ہمیں ایسا کرنے سے نہ روک سکتا۔

اس تشریح اور بیان کو عادل ضبط کرنے والے صحابہ نے آپ سے نقل کیا حتیٰ کہ سنت اور حدیث کی تدوین ہو گئی۔ پھر تدوین حدیث کے بعد ایک طویل عرصے تک لوگوں نے بیان کیا۔ یہ اس امر کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی وضاحت اور بیان حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمے لگایا تھا۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْمَذِينَ كَاتِبِينَ لِلنَّاسِ مَا نَزَلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ (النحل)

ہم نے قرآن کریم آپ پر اس لیے نازل کیا ہے تاکہ آپ اس کی لوگوں کے سامنے وضاحت کریں اور لوگ اس پر غور و فکر کریں۔

یہ آیت اس امر کی واضح دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی وضاحت کا معاملہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کیا تھا تاکہ آپ مختلف مسائل سے اس کی تشریح کریں۔ نیز فرمانِ ایزدی ہے۔

۲۔ وَاَنَّا لَنَهْدِي اِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ۔ صِرَاطُ اللّٰهِ الَّذِي لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ اِلَّا اِلَى اللّٰهِ تَصِيْرًا (المشوری)

(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) یقیناً آپ صراطِ مستقیم کی طرف (لوگوں کی) رہنمائی کرتے ہیں۔ اس اللہ کا راستہ ہے جو زمین و آسمان کا مالک ہے۔ سنو! تمام امور کا انجام اس کی طرف لوٹتا ہے۔ یعنی اچھے اور بُرے امور کا فیصلہ وہی کرتا ہے۔

یہاں پر ہدایت سے مراد قرآن کریم اور سنت کی ہدایت ہے جو قرآن کریم کی شارح اور وضاحت کرنے والی ہے۔

۳۔ حدیث اور میراث کی کتابوں میں عام ذکر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دعوت الی اللہ کے معاملہ میں صرف قرآن پاک کی تلاوت پر اکتفا نہیں کیا کرتے تھے بلکہ قرآن پاک کے علاوہ کچھ اور وسائل بروئے کار لاتے تھے۔ ان وسائل کو حدیث اور سنت سے تعبیر کیا جاتا ہے چنانچہ آپ اگر اپنی قوم سے فرماتے۔ تم کلمہ پڑھو۔ اگر تم نے کلمہ پڑھ لیا تو عرب و عجم تمہارے زیرِ نگیں ہو جائیں گے۔ یہ کلمہ توحید لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کرنے کے طریقے

آپ کبھی اپنے قول سے وضاحت فرماتے، کبھی اپنے فعل سے، کبھی قول و فعل دونوں سے۔ بعض اوقات اپنے اخلاق و اطوار سے بیان فرماتے۔ قولی بیان کی تو کئی مثالیں سابقہ سطور میں آچکی ہیں۔ فعلی بیان کی مثال جیسے حضرت مالک بن حورث کی روایت سے آنحضرت کا فرمانِ صلوا كما رأيتموني اصلي (البخاری) یعنی جیسے مجھے نماز پڑھتا دیکھتے ہو اسی طرح تم بھی نماز پڑھو۔ اسی طرح حجۃ الوداع کے موقع پر نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے صحابہ سے فرمایا لَتَاخُذُوا مَا سَكَمَكُمْ خَافِيًا اَدْرَى لَعَلَّ الْاَقَاكِمُ بَعْدَ حُجَّتِي هَذِهِ (رواہ مسلم) تم مجھ سے عبادات حج کے طریقے سیکھ لو کیونکہ ممکن ہے کہ اس حج کے بعد تم سے نزل سکوں۔

لے صحیح مسلم کتاب الحج۔



جب حضرت عائشہ صدیقہؓ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلق کے متعلق دریافت کیا گیا تو انھوں نے جواب دیا۔ کان خلقہ القرآنؑ اس سے ان کا مطلب یہ تھا کہ آپ اپنے اخلاق اور طور طریقے سے قرآن کریم کی تشریح کرتے ہیں۔ یہ طریقہ ہدایت کے طریقوں میں سے سب سے زیادہ کامیاب ہے۔ یہ بیان کا ایسا طریقہ ہے کہ جس سے تربیت و تہذیب اور راہنمائی میں کافی مدد ملتی ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں مذکور ہے۔ وَكَانَ لَعَلِّي خَلْقٌ عَظِيمٌ۔ یہاں پر خلق آپ کے اقوال و افعال، سلوک و عقائد اور شرائع سبھی کو شامل ہے۔

### شریعت میں سنت سے احکام کا متقل ہونا

جس طرح سنت اور حدیث قرآن کریم کی شارح اور وضاحت کنندہ ہے اسی طرح بعض اوقات عام کو خاص کرتی ہے اور مطلق کو مقید کرتی ہے۔ اسی طرح بعض اوقات شریعت میں اس کی متقل حیثیت ہوتی ہے۔ اس کی مثالیں کافی بیان کی جاسکتی ہیں۔ مثال کے طور پر مرد کا اپنی بیوی کے ساتھ اس کی چھو بھی یا خالہ کا نکاح میں جمع کرنا حرام ہے (اس بات کا قرآن پاک میں کہیں ذکر نہیں) اس مسئلہ پر سنت نے روشنی ڈالی ہے۔ اسی طرح رضاءت کے تمام قرائبی رشتہ داروں کے حرام ہونے کا ذکر قرآن پاک میں نہیں ہے۔ سنت سے اس کی وضاحت ہوئی ہے کہ ان کا حکم بھی محرمات نسبی کا ہے۔ اس لیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ یحرم من المضا ما یحرم من النسب۔

جو ناطے نسب کی وجہ سے حرام ہیں رضاءت سے بھی وہ سب حرام ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح درندوں میں ذمی ناب کی حرمت اور پرندوں میں ذمی مخضب کی حرمت اور سمندر کے مردار کی حلت اور حب و گواہ نہ ہوں تو ایک گواہ اور ایک قسم سے فیصلہ کرنا وغیرہ احکام کا ذکر کتاب اللہ میں نہیں۔ ان تمام امور کا سنت نے اضافہ کیا ہے۔

### قرآن کریم کو سنت کے ذریعے بیان کرنے کے طریقے

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام قرآن کریم کی وضاحت بعض اوقات قول سنت سے بیان کرتے اور بعض اوقات فعلی سنت سے یا ان دونوں سے کرتے جیسے کہ ملہ مسند احمد ملہ صحیح مسلم۔

اکثر اہل علم نے قرآن پاک سے آپ کے اخلاق و کردار کا بیان کیا ہے۔ اس کی مثالیں سنیں۔  
۱۔ جب اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نازل ہوا۔

الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ أُولَٰئِكَ لَهُمُ الْأَمَنُ وَهُمْ مُهْتَدُونَ (الانعام)  
جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کو ظلم سے ملوث نہیں کیا ان لوگوں کو (قیامت

کے روز) امن ہوگا اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔

یہ آیت سن کر صحابہ کرام کا منہ اٹھے اور کہنے لگے ہم میں سے ایسا کون ہے جس نے ظلم نہ کیا ہو۔ کیونکہ انھوں نے ظلم کو عام معنوں میں شمار کیا جو کفر اور کبیرہ و صغیرہ گناہوں پر مشتمل ہے چنانچہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور اپنے دلوں میں جو کھٹکا پیدا ہوا اس کا آپ کے سامنے ذکر کیا۔ ان کی بات سن کر آپ نے فرمایا یہاں پر ظلم سے مراد شرک ہے کیونکہ یہ بہت بڑا ظلم ہے۔ استدلال کے طور پر قرآن کریم میں اللہ کے نیک بندے حضرت لقمان نے جو اپنے بیٹے کو نصیحت کی اس کا ذکر کیا۔

وَإِذْ قَالَ لُقْمَانُ لِابْنِهِ دَعِرْ بِعَصَاكَ يَا ابْنِیَّ لَا تَشْرِكْ بِاللَّهِ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ (لقمان)

چنانچہ وہ سب راہی خوشی گھر کو چلے گئے۔

۲۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس کے حساب کی سخت پڑتال ہوگی تو اس کو عذاب دیا جائے گا۔ یہ سن کر حضرت عائشہؓ سخت پریشان ہوئیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے  
فَأَمَّا مَنْ أَدْقَىٰ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ فَبُذِّلَ فَمَا يَسْجُدُ لِرَبِّهِ فَإِذَا سَجَدَ أَوْ قَبَّلَ الْأُفْقَ لَا يَسْجُدُ وَلَا يَخْشَعُ وَلَا يَتَذَكَّرُ إِلَّا أَعْلَفُ النَّاسِ (ممدودا) (الانشقاق)

یعنی جس شخص کو اس کے دائیں ہاتھ میں اعمال نامہ دیا گیا تو اس کا حساب آسان ہوگا یعنی اس کے اعمال کی پڑتال نہیں ہوگی) وہ اپنے گھر والوں کی طرف خوشی خوشی لوٹے گا۔  
پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وضاحت فرمائی کہ حساب یسیر سے مراد اس کے اعمال پر چشم پوشی اور درگزر کرنا مراد ہے۔ یہ سن کر حضرت عائشہؓ خاموش ہو گئیں اور آیت کا صحیح مفہوم سمجھ لیا۔

۳۔ اسی قبیل سے ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اَنَا اعطيتُكَ الكوشة کی تفسیر فرمائی کہ یہ جنت میں ایک نہر ہے۔ اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ

لے صحیح بخاری کتاب التفسیر

میٹھا اور کستوری سے زیادہ خوشبودار ہے۔ اس کے برتنوں کی تعداد آسمان کے ستاروں کی طرح لا تعداد ہے۔

سیوطی نے لکھا ہے کہ یہ متعدد طرق سے مروی ہے۔

حضرت ابن عباسؓ سے صحیح بخاری میں مذکور ہے کہ کوشہ سے مراد خیر کثیر ہے۔ اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی خیر کثیر سے تفسیر کی ہے۔ جو نبوت، قرآن پاک، توحید کی نشر و اشاعت، امت کی کثرت اور حوض کوثر وغیرہ بھلائیوں، فضائل اور خصائص پر مشتمل ہے جن کا شمار ناممکنات میں سے ہے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ و اقسیوا الصلوة و اتقوا الزکوة۔

یہاں پر اللہ تعالیٰ نے ناز پڑھنے کا حکم تو دیا ہے لیکن نمازوں کی تعداد و اداکان کا ذکر نہیں کیا۔ نماز کی شرائط اور سنن اور اوقات نماز کا بھی کوئی تذکرہ نہیں۔ ان تمام امور کی وضاحت سنت نبویؐ نے کی۔ آپؐ نے اپنے قول و فعل سے اس کی پوری تشریح فرمائی۔ نماز کے متعلق قرآن کریم میں مختصر ذکر ہے۔ لیکن حدیث اور سنت نے نماز کے متعلق کسی جزئی کو باقی نہیں چھوڑا۔ بلکہ ایک ایک جزئی کی پوری پوری وضاحت فرمائی۔ اس معاملہ میں آپؐ حدیث کی کوئی کتاب دیکھ لیں تو آپؐ کو پختہ یقین ہو جائے گا جیسے صحیح بخاری میں نماز کے ہر مسئلہ کی پوری پوری وضاحت ملتی ہے۔

۴۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ دینے کا حکم تو دیا ہے لیکن یہ نہیں بتایا کہ کس مال میں زکوٰۃ واجب ہے اور اس کا کیا نصاب ہے؟ اور کتنا مال بطور زکوٰۃ دیا جائے۔ اور کب واجب ہوتی ہے؟ اسی طرح قرآن کریم نے زکوٰۃ کے مستحق لوگوں کا تفصیل ذکر نہیں کیا بلکہ مجمل ذکر کیا ہے۔ سورہ برأت کی آیت میں مصارف زکوٰۃ کا ذکر تو ہے لیکن یہ ذکر نہیں کہ زکوٰۃ لینا کس کے لیے حرام اور ناجائز ہے۔ ان تمام امور کی سنت اور حدیث نے وضاحت کی ہے۔

۵۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ و اسارق و اسارقتہ فاقطعوا امیدیہما جزاءً بما کسبا۔

فکلامن اللہ واللہ عزیز العظیم (المائدۃ)

چوری کرنے والے مرد اور عورت کے ہاتھ کاٹ دیے جائیں یہ ان کے جرم کی پاداش

۱۔ صحیح بخاری کتاب التفسیر

ہے۔ اللہ کی طرف سے یہ باعث عبرت ہے اللہ غالب حکمت والا ہے۔

اس آیت میں چوری کی تعریف نہیں کی گئی اور نہ نصاب کا ذکر ہے کہ کتنے مال چوری کرنے پر چور کو حد لگائی جائے۔ لفظ ایدی کی وضاحت بھی مطلوب ہے اس سے کیا مراد ہے کیا ایک ہاتھ کاٹا جائے یا دونوں کاٹے جائیں اور کس مقام سے کاٹے جائیں؟ ان تمام سوالات کو سنت کے ذریعے ہی حل کیا جاسکتا ہے۔

ہم۔ نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اخْمُوا الْخُمُ وَالْمِيسِرَ وَالْأَنْصَابَ وَالْأَزْلَامَ رَجَسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوا لَعَلَّكُمْ تَفْلَحُونَ۔ ائِمَّا يَرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُوقِعَ بَيْنَكُمْ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخُمِ وَالْمِيسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ (المائدة)

اے ایمان والو! شراب، بھوا، تھان تیروں کے اور پانسے (یہ سب) پلید ہیں جو شیطانی کام ہیں۔ ان سب سے بچ جاؤ تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ شیطان کی تو یہ خواہش ہے کہ شراب اور جوئے سے تمہارے درمیان عداوت اور کینہ ابھارے اور تم کو خدا کی یاد سے اور نماز سے روکے۔ کیا اب بھی تم (مذکورہ بالا گناہوں سے) باز آتے ہو یا نہیں۔

مذکورہ امور کی نہی کا ذکر تو ہے لیکن اس میں یہ نہیں بتایا گیا کہ خمر اور میسر کی کیا تعریف ہے۔ انصاب کسے کہتے ہیں؟ ازلام سے کیا مراد ہے؟ اور شراب پینے کی کیا حد ہے؟ حد کس چیز سے ثابت ہوتی ہے؟ حد کون لگائے؟ شراب کی کتنی مقدار پر حد واجب ہوتی ہے؟ کیا حد پوشیدہ لگائی جائے یا سرعام لگائی جائے؟ بار بار شراب پینے والے کے متعلق کیا حکم ہے؟ کیا تو بے شرابی کی حد معاف ہو جاتی ہے؟ کیا غلام اور آزاد آدمی کی حد ایک ہی ہے یا دونوں کی مختلف حدیں ہیں وغیرہ مسائل اور احکام۔ ان تمام سوالات کے جوابات سنت نے دیے ہیں اور ان معمول کو سنت نے حل کیا ہے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ وَلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلْيَشْهَدْ عَذَابُهُمَا طَائِفَةٌ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ۔ (النور)

مرد زنا کار اور عورت زنا کار ہر ایک کو سو سو کوڑے لگاؤ۔ اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو حد لگانے میں نرمی سے کام مت لو کیونکہ ان کو حد لگانا اللہ کے دین میں شامل ہے (سنو ادیتے وقت کسی بند کو ٹھٹھی میں مت دو بلکہ) برسر عام مومنوں کے ایک گروہ کے سامنے سزا دی جائے (تاکہ تمام لوگوں کو عبرت حاصل ہو کہ بدکاری کا یہ انجام ہے)۔  
اس آیت میں زنا کاری کی سزا بتائی گئی ہے لیکن یہ نہیں بتایا گیا کہ وہ زنا کون سا ہے جس پر حد واجب ہوتی ہے۔ کیا حد مذکور محض (شادی شدہ) یا غیر محض کے لیے ہے؟ محض اور غیر محض کی تعریف کیا ہے؟ کوڑا کس چیز کا ہو؟ جب یہ آیت غیر محض کے لیے ہے تو محض کے متعلق کیا حکم ہے؟ کیا کوڑوں کے سوا کوئی اور سزا بھی دی جاسکتی ہے؟ اگر ہے تو وہ کون سی ہے؟ کیا کوڑوں کی سزا، ملک بدر کرنا، اور ایک سال کی جلا وطنی سب اکٹھی سزائیں دی جاسکتی ہیں؟ چنانچہ سنت نے ان تمام امور پر وضاحت سے روشنی ڈالی اور تمام عقدے حل کر دیے۔  
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

۸۔ اَنۡہَا جَزَا لِّلَّذِیۡنَ یَحَارِبُوۡنَ اللّٰہَ وَرَسُوۡلَہٗ وَیَبْعُوۡنَ فِی الْاَرْضِ فِسَادًا ۙ وَیَقْتُلُوۡا  
اَوْ یَصِلُوۡا اِلَیۡہِمْ وَاِیۡہِمْ وَاِیۡہِمْ وَاِیۡہِمْ وَاِیۡہِمْ وَاِیۡہِمْ وَاِیۡہِمْ وَاِیۡہِمْ وَاِیۡہِمْ وَاِیۡہِمْ  
لہم خنوی فی الدنیا و لہم فی الآخرۃ عذاب عظیم ہ الا المذین تابوا  
من قبل ان تقدروا علیہم فاعلموا ان اللہ غفور رحیم۔ (المائدہ)

جو لوگ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرتے ہیں اور زمین میں خون خرابہ کی کوشش کرتے ہیں تو ان کی سزا یہ ہے کہ انھیں قتل کر دیا جائے یا سولی پر لٹکائے جائیں یا ان کی مخالف سمتوں سے ہاتھ پاؤں کاٹے جائیں یا انھیں ملک بدر کیا جائے۔ یہ ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں بڑا عذاب ہے۔ ہاں البتہ وہ مجرم جنھوں نے تمھارے قابو آنے سے پہلے پہلے توبہ کر لی (تو انھیں مذکورہ بالا سزائوں سے معافی ہے توبہ کرنے والے کو معاف کر دو) کیونکہ ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ بھی معافی دینے والا مہربان ہے۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے محاربت کی سزا تجویز کی ہے لیکن یہ نہیں بتایا کہ محاربت کیا ہے، نیز ان یقتلوا وغیرہ احکام اختیار کے طور پر ہیں یا نوعیت بیان کرنے کے لیے آئے ہیں؟ ایدئی اور ارجل سے کیا مراد ہے؟ من خلاف کا کیا مطلب ہے؟ قبل القدر سے کیا مراد ہے؟ کیا توبہ کرنے سے تمام حقوق مافق ہو جاتے ہیں اور تمام گناہ معاف



ہو جاتے ہیں؟ تو سنت اور حدیث نے ہر ایک امر کی وضاحت کی اور راہنہی کرنے والے کے متعلق تمام احکام بھی بتائے۔  
۹۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَالَّذِينَ يَدْعُونَ الْمَحْصَنَاتِ ثُمَّ لَا يَأْتُوا بِالْبَيِّنَاتِ شُهُودًا فَالْجُلْدُ لَهُمْ ثَمَانِينَ  
جَلْدَةً وَلَا يَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةٌ أَبَدًا وَذَلِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ۝۱۰۱  
من بعد ذلك واصلحوا فان الله غفور رحيم۔ (النور)

جو لوگ پاکدامن عورتوں کو تہمت لگاتے ہیں۔ پھر اس کے ثبوت میں چار گواہ پیش نہیں کر سکتے تو انھیں (تہمت لگانے کی حد) اسی کوڑے لگاؤ اور آئندہ کے لیے ان کی شہادت مت قبول کرو۔ یہ لوگ نافرمان ہیں۔ ہاں جن لوگوں نے (ازکاب جرم یعنی تہمت لگانے کے بعد) توبہ کر لی اور اپنے اعمال کی اصلاح کر لی تو اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا مہربان ہے۔

ان آیات میں رمی کی حد مذکور ہے لیکن یہ ذکر نہیں کہ رمی سے کیا مراد ہے جس پر حد مرتب ہوتی ہے؟ محصنات کون ہیں؟ کوڑا کس چیز کا ہو؟ توبہ کا کیا مطلب ہے؟ توبہ کا اثر شہادت کے رد ہونے اور فسخ دونوں پر وارد ہوتا ہے یا صرف آخری پر اثر پڑتا ہے؟ بغیر زمانے کے قذف کا کیا حکم ہے؟ وغیرہ مسائل جو ان دو آیات سے متعلق ہیں۔ چنانچہ سنت اور حدیث نے مذکورہ آئو میں سے ہر ایک کی پوری پوری وضاحت کی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

۱۰۔ ومن يرتد منكم عن دينه فيمت دهره كافرا فلا يملك حبطت اعماله  
في الدنيا والآخرة ۝۱۰۲ اصعب النار هم فيها خالدون (البقرة)  
یعنی جو شخص تم میں سے اپنے دین سے پھر جائے گا پھر کفر کی حالت میں مرتد ہو جائے گا تو ایسے لوگوں کے اعمال دنیا و آخرت میں ضائع ہو گئے۔ یہ لوگ جہنمی ہیں۔ یہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

اس آیت میں ردت پر وعید مذکور ہے لیکن یہ ذکر نہیں کہ ردت سے کیا مراد ہے؟ ردت کن امور سے متحقق ہوتی ہے؟ دنیا اور آخرت میں جھوٹ کا کیا مطلب ہے؟ اس آیت میں دین سے کیا مراد ہے؟ ردت کی حد کیا ہے؟ کیا مرتد کو توبہ کے لیے تاقین کی جائے یا نہیں؟ کس مدت تک مرتد کو توبہ کرنے کے لیے نصیحت کرنے کا حکم ہے؟ کیا مرتد اور مرتدہ کا حکم ایک ہی ہے؟ کیا زندیق اور مرتد میں کچھ فرق ہے یا ایک ہی حکم ہے؟ جو بار بار توبہ توڑ کر مرتد ہو جائے اس کا

کیا حکم ہے؟ مرتد کی توبہ کیسے متحقق ہوتی ہے؟ مرتد کے مال کا کیا حکم ہے؟ اور مرتد ہونے کی صورت میں اس کے مال میں تصرف کرنے کا کیا حکم ہے؟ وغیرہ مباحث جن کا ذکر حدیث کے ساتھ ہے۔ ان تمام سوالات کو سنت نے حل کیا ہے اور کوئی مسئلہ نہیں چھوڑا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خَلَفُوا حَتَّىٰ إِذَا خَافَتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِعَاقِبَتِهَا وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ أَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوا أَنَّهُ لَا مَلْجَأَ مِنَ اللَّهِ إِلَّا إِلَيْهِ - ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوبُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ - (التوبة)

اور ان تینوں کو بھی اللہ نے معافی دے دی جو جنگ سے پیچھے رہ گئے تھے (ان کی یہ حالت ہو چکی تھی کہ ان پر زمین تنگ ہو چکی تھی باوجودیکہ یہ بہت کشادہ تھے اور ان پر ان کی زندگیاں دوبھر ہو گئی تھیں تو انھوں نے خیال کیا کہ اللہ کی ناراضگی سے بچنے کی کوئی صورت نہیں مگر اس کے ہاں۔ پھر اللہ نے ان پر کرم کیا تاکہ وہ توبہ کریں۔ یقیناً اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔ اس آیت میں یہ ذکر ہے کہ تین اشخاص جنگ سے رہ گئے تھے مگر یہ ذکر نہیں کہ کس جنگ سے رہ گئے تھے اور ان کا سما کیا کیا تھے؟ ان پر زمین کیسے تنگ ہو گئی باوجودیکہ وہ کشادہ تھے؟ ان کی جانیں ان کے لیے کیسے دوبھر ہو گئیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ کب قبول فرمائی؟ توبہ قبول ہونے کے بعد انھیں کس قدر خوشی ہوئی؟ ان سب باتوں کو حدیث نے وضاحت سے بیان کیا ہے۔ نہ حضرت کعب بن مالک کی حدیث ان صحابہ کے متعلق جو جنگ تبوک سے پیچھے رہ گئے تھے سب حدیثوں سے یہی شمار ہوتی ہے جن کا ذکر حدیث اور سیرت کی کتابوں میں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَىٰ وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ (البقرة)

اس آیت میں نمازوں کی حفاظت خصوصاً نماز وسطیٰ کی حفاظت کے متعلق ذکر ہے لیکن صلوٰۃ وسطیٰ کے متعلق وضاحت نہیں کی کہ اس سے مراد کونسی نماز ہے؟ چنانچہ حدیث نے اس کی تشریح اور وضاحت کی۔ چونکہ اس سلسلہ میں مختلف آثار مذکور ہیں ماسی لیے علماء کا اس میں اختلاف ہے۔ چنانچہ ہر ایک نماز کے لیے وسطیٰ کا لفظ استعمال کیا جاسکتا ہے۔ لیکن زیادہ صحیح یہ بات ہے کہ اس سے مراد نماز عصر ہے کیونکہ حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جنگ خندق کے موقع پر کفار نے ہمیں نماز وسطیٰ، نماز عصر سے محروم کر دیا۔ اللہ ان کی قبروں اور گھروں کو آگ سے

بھرے (مسلم بخاری) لیکن بخاری میں صلوٰۃ العصر کا لفظ نہیں۔

اسی طرح سفت نے بیان کیا کہ تائین سے مراد سائین (خاموش) ہے اس آیت سے نماز میں کلام کرنا ممنوع ٹھہرا۔ چنانچہ اصحاب استدغیر نے زید بن ارقم کی رعایت سے بیان کیا ہے کہ کم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نماز میں کلام کر لیا کرتے تھے۔ ایک آدمی نماز پڑھتا ہوا اپنے ساتھ کھڑے ہوئے سے باتیں کرنے لگتا تھا حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہوئی۔ قوموا للہ قانتین۔ پھر یہیں خاموشی کا حکم ہوا اور نماز میں کلام کرنے کی ممانعت ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

۱۲۔ واعدوا لہم ما استطعتم من قوۃ ومن رباط الخیل ترہبون بہ عدا اللہ و عداکم و اخرین من دونہم لا تعلمون لہم اللہ یعلمہم۔ و ما تنفقوا من شئ فی سبیل اللہ یوف الیکم و انتم لا تظلمون (الانفال)

(اے مسلمانو! تم کفار کے مقابلہ کے لیے جہاں تک ممکن ہو اپنی طاقت بڑھاؤ اور گھوڑے باندھو تاکہ اس سے اللہ کے دشمنوں اور تمہارے دشمنوں پر تمہاری دھاک بیٹھ جائے۔ ان کے علاوہ ایسے دشمن جن کو تم نہیں جانتے مگر اللہ کو علم ہے ان پر بھی تمہارا رعب چھا جائے۔ تم اللہ کی راہ میں جو کچھ خرچ کرو گے اس کا تمہیں پورا پورا اجر ملے گا۔ تمہارا حق ہرگز نہیں مارا جائے گا۔ اس آیت میں قوت بڑھانے کا ذکر ہے لیکن قوت کی وضاحت نہیں کی گئی کہ اس سے کیا مراد؟ چنانچہ حدیث نے اس کی وضاحت کی۔ امام احمد اور امام مسلم نے یہ حدیث بیان کی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قوت کے متعلق سوال کیا گیا۔ آپ نے جواباً فرمایا: "قوت سے مراد تیر اندازی ہے۔ قوت سے مراد تیر اندازی ہے۔"

یہاں پر مفسر کی تفسیر میں انتہائی وسعت ہے۔ اسی لیے یہ ہر زمانہ اور ہر مکان کے لوگوں کے لیے ہے۔ دراصل قوت سے مراد جنگ کے اسباب کی تیاری ہے اس آیت میں اعجاز ہے کیونکہ قوت کے اسباب زمانے اور حالات کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے مطلق قوت کا ذکر کیا ہے اس میں کوئی قید نہیں لگائی کہ اس قسم کی قوت ہو۔ چنانچہ یہ آیت ہر زمانہ اور ہر جگہ کے لوگوں پر صادق آتی ہے۔ اسی طرح "رمی" کا لفظ بھی اعجاز میں شامل ہے یہ بھی ہر زمانہ اور ہر مکان کے لوگوں کے لیے ہے۔ چنانچہ رمی کا لفظ تیروں اور نیزوں پر منطبق ہوتا ہے جیسے عہد اول میں تھا اور رمی سے مراد رمی مسلح کتاب الصلوٰۃ سے صحیح بخاری کتاب التفسیر سے اسباب النزول للسیوطی۔

منجلیق اور تو میں بھی ہیں جیسے عہد اول کے بعد تھا۔ اور رمی سے مراد گرنیٹ، دستی بم اور بائیڈروجن بم اور راکٹ بھی ہیں جو دور دراز علاقہ تک مار کرتے ہیں۔ سمندروں اور براعظموں کو عبور کر جاتے ہیں۔ جو آج کے دور پر منطبق ہوتا ہے۔ یہ قرآن کریم کا معجزہ ہے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

فَلَا تَعْلَمُ فَضْلَ مَا اخْفَىٰ لَهُمْ قِسْطَٰ عِزِّ جُنُودٍ جَمَاعًا فَانَافِعُ لِمَا يُعْمَلُونَ (سجده)  
اس آیت میں یہ ذکر ہے کہ اللہ نے اپنے نیک بندوں کے لیے اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک کا جنت میں جو سامان تیار کیا ہے اسے کوئی نہیں جانتا لیکن اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ میں نے اپنے نیک اور صالح بندوں کے لیے ایسی ایسی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں جو نہ کسی نے دیکھی ہیں نہ سنی اور نہ کسی کے دل میں ان کا کبھی خیال آیا ہے۔ پھر یہ آیت پڑھی۔ فَلَا تَعْلَمُ فَضْلَ ..... (الایۃ)

۱۵۔ سورہ واقعہ میں ”وَضَلَّ مَسَدٌ“ کے الفاظ آئے ہیں۔ اس میں مرف سائے کے بلبے ہونے کا ذکر ہے۔ اس کی کیفیت مذکور نہیں لیکن حدیث نے اس کی وضاحت کی۔ چنانچہ صحیحین میں مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت میں ایک ایسا درخت ہے کہ اگر اس کے سائے میں ایک شاہسوار تیز رفتار گھوڑے کو سو سال دوڑائے تو پھر بھی سایہ ختم نہ ہوگا۔ پھر آپ نے پڑھا۔ ”وَضَلَّ مَسَدٌ“۔

علامہ ازیں بے شمار مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں جو اس مضمون میں سما نہیں سکتیں جن کے لیے ایک بڑی کتاب چاہیے۔ اسے قاری! یہ آیات جن کا میں نے ابھی ابھی ذکر کیا ہے۔ بطور نمونہ بیان کی گئی ہیں ان کی تفسیر اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہ کرتے تو ہم اس کی تفسیر سمجھنے سے قاصر ہوتے۔ اور نہ اس پر غور و فکر کر سکتے۔ اور قرآن کریم جو دین کا منبع اور ماخذ ہے اس کا سمجھنا ہمارے فہم و ادراک سے بالاتر ہو جاتا۔ اس وقت یہ بہت بڑا المیہ ہوتا اور اسلام کی نشوونما رک جاتی۔

صحابہ کرام اور تابعین اور تبع تابعین اور ائمہ دین اس حقیقت سے بخوبی آگاہ تھے۔ چنانچہ عبداللہ بن مبارک نے عمران بن حصین سے بیان کیا ہے کہ انھوں نے کسی خارجی سے کہا۔ یہ وہ لوگ ہیں جو مرف قرآن پاک پر عمل کرنے کے دعویدار ہیں اور سنت اور حدیث

صحیح بخاری کتاب التفسیر ص ۱۸۶ صحیح بخاری کتاب التفسیر

کی پرواہ نہیں کرتے۔ تو ایک احمق ہے۔ کیا اللہ کی کتاب میں ناز ظہر کی چار رکعت کے متعلق ذکر ہے کہ ان میں قرأت جہرن کی جائے؟ پھر کئی اور نمازوں اور رکعتوں وغیرہ کا ذکر کیا۔ پھر پوچھا کیا ان کا ذکر اللہ کی کتاب میں ہے؟ یہ حقیقت ہے کہ اللہ کی کتاب میں ان کا ذکر مبہم اور غیر واضح ہے۔ سنت نے ان کی تفسیر اور وضاحت کی ہے۔

امام اوزاعی نے حسان بن عطیہ سے روایت کیا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی تو حضرت جبریلؑ سنت لے کر آتے جو اس کی تفسیر کرتی۔

مکحول، جو ثقہ تابعی ہیں، جسے زہری نے "علمائے ثلاثہ" سے شمار کیا ہے، بیان کرتے ہیں کہ قرآن کریم سنت کا زیادہ محتاج ہے نسبت سنت کے جو قرآن کریم کی محتاج ہے۔

اہل سنت کے امام احمد بن حنبلؑ بیان کرتے ہیں کہ سنت کتاب اللہ کی تفسیر اور وضاحت کرتی، امام شافعیؒ نے اپنے ایک رسالہ البیان الثالث میں ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

ان الصلوٰۃ کانت علی المومنین کتابا موقوتا (النساء)

نیز فرمایا۔

واقیموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ۔

نیز ارشاد فرمایا۔

واتموا الحج والعمرة لله (البقرة)

پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے اس کی وضاحت کی کہ کتنی نمازیں فرض ہیں اور ان کے کیا کیا اوقات ہیں اور ان کی سنتیں کتنی ہیں وغیرہ۔ زکوٰۃ کی مقدار کیا ہے؟ کس وقت نکالی جائے؟ حج اور عمرہ کیسے کیا جائے؟ حج کب فرض ہوتا ہے اور کب معاف ہے؟ حج اور عمرہ کے احکام کب متفق اور کب مختلف ہوتے ہیں؟ اسی نوعیت کی کئی اور باتوں کا قرآن پاک میں ذکر نہیں۔ ان کی سنت سے تشریح ہوتی ہے۔ بنا بریں قرآن کریم کی وضاحت سنت سے ہوتی ہے۔ یہ ایک ایسا امر ہے کہ جس پر تمام علماء کا اتفاق ہے اور تمام علمائے سنت سے قرآن کریم کی تشریح کو قرآن پاک کی طرح تسلیم کرتے ہیں۔

(باقی آئندہ)

۱۔ رسالہ ام شافعی۔



## آرٹ اور اسلام

مضبوط حکومت کے لیے نئے نئے جنگی دوزار ایجاد کرنے کی ضرورت ہے نہ کہ نئے نئے آلات موسیقی جو حضرت داؤد کی حکومت سے متعلق خبر دی گئی ہے "شد دنا ملک" کہ ہم نے ان کی حکومت کو مضبوط پایا تو اس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ مضبوط حکومت کے لیے کیا سے کیا اسلحہ ایجاد کرنے کی ضرورت ہے یا نئے نئے آلات موسیقی یعنی طبلہ، غنچہ، رے، مڑگیاں، ستاریں، اکتارے، کھنجریاں اور گنگندہ ایجاد کرنے کی؟ سورہ سبار میں حضرت داؤد کے متعلق خبر دی گئی ہے:

(۱) "وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُدَ مِمَّا نَفْضُلُ مَا يَجِبُ آلَاقِبَ مَعَهُ وَالطَّلِيلَ"

وَأَتَيْنَاهُ الْحَدِيدَ إِنَّ أَعْمَلَ مَسْبُغَةٍ فَقَدَرَفَ

السُّرُودَ وَأَعْمَدَ أَوَّلَ لُحُوفٍ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا" ۳۳

ادب بلاشبہ ہم نے داؤد کو اپنی طرف سے (خلافت ارضی کی) فضیلت عطا فرمائی اور اس کی مضبوط جنگی قوت کی بدولت ہم نے اپنے قانون کی زبان سے کہہ دیا کہ اسے پہاڑی لوگوں اور اسے آزاد قبائل سب اس کے ساتھ مل کر میرے مطیع ہو جاؤ اور ہم نے اس کے لیے ٹوبہ کو نرم پایا (اور حکم دیا کہ) تو زریں بنایا کہ اور ان کے حلقوں میں صحیح صحیح انداز سے دکھا کر یعنی تم (توبہ سے) جنگی سامان تیار کر کے، صلاحیت بخش عمل کیا کرو۔ بیشک تم جو بھی عمل کرتے ہو میں اسے بہت اچھی طرح دیکھنے والا ہوں!

کیا یہ دشمنان اسلام کی اسلام کے • قرآن کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت خلاف ایک سازش نہیں! داؤد کو توبہ کی زریں یعنی سامان حرب بنانے کا حکم دیا تھا اور مشرفین تو دعا کہتے ہیں کہ آپ جنگی سامان کی بجائے نئے نئے آلات

موسیقی طبعی، سرنگیاں، ستائیں، آلتارے، ہودارے، طنبورے اور نلچنے کے یسے بن  
 اُدا رہے جھانجھیں یعنی گھنگرولہ ایجاد فرمایا کرتے تھے تو اس طرح جب ہم قرآن کریم اور محرف  
 توراۃ کا ٹائڈ تو جہ کے ساتھ تقابل کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی  
 طرف گانا بجانا اور نئے سے نئے آلات موسیقی ایجاد کرنا منسوب محض ہے اور اہل اسلام  
 کے خلاف یہ ایک گہری سازش ہے کہ مسلمان قوم و ملت داؤد کی شکل کے ساتھ ناج گانوں میں  
 دن گانے بجانے میں مصروف رہ کر بزمِ خویش سنت داؤدی ادا کرتے چلے جا رہے ہیں۔  
 اَللّٰہُ الْحَمْدُ کے قرآنی اعلان سے اس قدر بے خبر ہیں کہ ساٹھ یا مٹھ کے قُ  
 اسلامی حکومتوں میں سے کسی ایک کے ہاں بھی جنگی اسلحہ کی فیکٹری کا وجود تو دُر کی بات  
 ہے کسی ایک اسلامی حکومت میں لوہے کا کارخانہ تک موجود نہیں۔

## ایک نکتہ لطیف

• حضرت داؤد کی طرف سازش طویر پر محرفین توراۃ کی طرف  
 سے آلات موسیقی کے ایجاد کرنے کے بہتانِ عظیم پر مزید طویل تبصرہ تو الگ صفحات میں  
 پیش کیا جائے گا۔ یہاں پر قرآن کریم کے ا۔ یان اسلوبِ تصریفِ آیات کے ذریعہ ایک  
 لطیف نکتہ پیش خدمت ہے۔ بنورِ ملاحظہ فرمائیں۔ پچھلے صفحہ پر دی گئی آیات مجیدہ (۳۱:۱۱)  
 میں لوہے کی زنجیریں یعنی لوہے کی مدد سے دفاعی جنگی سامان تیار کرنے کا حکم دینے کے بعد  
 ارشاد ہوا ہے "واعملوا صلحا" جس کا لفظی ترجمہ یہ ہے کہ اعمالِ صالحہ بناؤ۔

• ادھر سورۃ انبیاء میں زبور داؤدی کی سند ہی کے ساتھ ارشاد ہوا ہے :

"وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ ابْنِ زَكَرِيَّا اِلٰى دَاوُدَ اَنِ ارْكَبْ اِلٰی

عِبَادِی الصَّالِحِیْنَ" (۲۱:۵۷)

اور بے شک ہم نے نصیحت کرنے کے بعد زبور میں لکھ دیا یہ کہ بلاشبہ زمین کے  
 وارث میرے صالح بندے ہیں۔

• اس پر صاحبِ محین ہونے کے بعد دیارِ دل کی حیرت ایک لازمی امر ہے کہ مذکورہ  
 بالا اعلانِ خداوندی کے مطابق زمین کے وارث وہ ہونے چاہئیں جب کہ اس کے برگ  
 زمین کی حکومت ان لوگوں کے قبضے میں ہے جو ان کی نگاہ میں صاحبِ زمین تو کیا، مسلمان بھی نہیں

میں یا تو وہ ہیں ہی منکرینِ باری تعالیٰ اور یا نہیں خداؤں کے ماننے والے مسلمانوں کی جہاں جہاں بھی حکومت قائم ہے وہ محض کافر حکومتوں کی طفیلی ہے۔ غلہ ہو یا اسلحہ ضرورت کی ہر چیز کافلوں سے حاصل کرنا پڑتی ہے۔  
**لوہے کا جنگی دفاعی سامان بنانا اعمالِ صالحہ ہیں**

• یہاں پہنچ کر سوال پیدا ہوتا ہے

کہ کیا اللہ تعالیٰ کا دعویٰ غلط ہے کہ زمین کے وارث اس کے صالح بندے ہیں اور یہ عقیدہ صالحین حضراتؑ کا ہے۔ "عبادی الصالحون" کا معنی غلط سمجھے ہیں ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دعویٰ تو کبھی بھی غلط نہیں ہو سکتا اس لیے ماننا پڑتا ہے کہ اللہ کا معنی غلط سمجھ لیا گیا ہے کیونکہ جب تصریف آیات کے قرآنی اسلوب کے مطابق طور کیا جائے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ سورہ مبارک کے مطابق لوہے سے سامانِ دفاع بنانے والے صالحین ہیں اور وہی وراثتِ ارضی کے سچی ہیں کیونکہ: "النَّاسُ لِحَدِيدِهِمْ اَنْ اَعْمَلُ سَبْعَ وَفْتَرَفِ السَّرَدِ" کا حکم دینے کے بعد ارشاد ہوا ہے۔ "وَاَعْمَلُوا صَالِحًا" اعمالِ صالحہ بجا لاؤ۔ بالفاظِ دیگر لوہے سے دفاعی سامان اور اسلحہ بنانا ایسا عملِ صالح ہے جس سے زمین کی حکومت دینے والی ہے مضبوط ہوتی ہے اور قائم رہتی ہے چنانچہ ناقابلِ انکار عالمی شاہدہ گواہ ہے کہ زمین کے وارث وہی لوگ چلے آ رہے ہیں جو جنگی ضرورت کے لیے لوہے کا استعمال کرتے اور جدید سے جدید اسلحہ بناتے ہیں پرانے زمانہ میں تلواریں، ڈھالیں، نیزے، بھالے اور خنجر پانچوں اختیارِ لوہے کے بنتے تھے۔ تیرکمان ایجاد ہوئے تو تیرکمانی لوہے کی بنائی گئی جب تک لوہے کے یہ جنگی ہتھیار مسلمانوں کا ادھنا پھونار ہے اس وقت تک وراثتِ ارضی ان کا حق رہا۔ ابتدائی نوڑے دارِ بندوق مسلمانوں ہی کی ایجاد ہے مگر جب یہ قوم لوہے سے نئے نئے جنگی اوزار بنانے کا صلاح عمل ترک کر کے وراثتِ ارضی، استحقاق کی رو سے خود عبادِ صالحین کے خارج ہو گئی تو وراثتِ ارضی سے محروم کر دی گئی۔ اللہ کے مطابق وہ قومیں مستحقِ قرار دے دی گئیں جنہوں نے لوہے کے نئے سے نئے جنگی اوزار بنانا اپنا شعار ٹھہرا لیا۔ سورہ حدید میں اعلانِ عالم کر دیا گیا ہے:

وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۚ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ اور ہم نے لوہے کو بھیجا

اہمیت دی ہے کہ (قیامت تک کے لیے) اسی میں سخت ترین لڑائی کا سامان ہے اور تمام لوگوں کے لیے اس میں مسرت سے فائدے بھی ہیں۔

۱۔ المحتصر! نصریف آیات کے مستقل قرآنی اسلوب کے مطابق وراثتِ ملاحضی کے مستحق وہ لوگ ہیں جو لوہے سے جنگی سامان تیار کرتے ہیں اور استحقاقِ وراثتِ ارضی کی رو سے وہی اللہ کے صالح بندے ہیں حضرت داؤد کو خلافتِ ارضی کا مستحق اس لیے قرار دیا گیا کہ آپ کے ہاں ایسے کارخانے قائم تھے جن میں لوہے کو نرم کر کے زبردیں وغیرہ یعنی جنگی اوزار اور دفاعی سامان تیار کیا جاتا تھا آپ اس حربی قوت کی بدولت داؤدِ اعظم داؤدِ الاولید کہلائے آپ کی طرف کانائما بجا نا موسیقی کے اوزان، سارے سکام، پادرا، وغیرہ کی تدوین اور موسیقی کے نئے نئے آلات، طبلہ، سارنگی، جھانچھ، گھنگرہ وغیرہ ایجاد کرنا منسوب محض ہے اور یہ اہل اسلام کے خلاف ایک گہری کامیاب سازش ہے۔

## تیسرہ نمبر

۲۔ دوسرے نمبر پر اقباسِ زیرِ نظر میں یہ کہا گیا ہے۔

کہ حضرت داؤد پر نہ بود نازل ہوئی اس میں ہر باب سے پہلے یہ ہدایت درج ہے کہ اسے مردار منقذ یعنی اس پر گویا ظان ساز کے ساتھ گائے یعنی طبع، سادگی کے ساتھ یا سحر طنبور کے ساتھ یا جھاڑ چنی گھنگرہ وں یا گھڑے یا گھڑے چمٹے کے ساتھ۔

(۴) واضح رہے کہ ہمارے، یعنی اہل اسلام کے لیے ہر مسئلہ میں قولِ فیصل اللہ تعالیٰ کی کتاب لایب قرآن مجید ہے۔ اس لیے سورۃ شعراء میں ارشاد ہوا ہے کہ سابقہ کتابیں تو رواہ زبور اور انجیل وغیرہ قرآن مجید سے مختلف تھیں ان میں بھی قرآن مجید ہی موجود تھا:

وَلَقَدْ نَزَّلْنَاهُ نَزْلًا بَيِّنًا لِّقَوْمٍ يَعْلَمُونَ  
عَلَىٰ قَلْبِكَ لَتَكُونَ مِنَ الْمُنذَرِينَ ۝ بَيِّنًا

عربی مبین و انما لفہ زبد الاقوالین ۲۶  
۱۹۶۱ء

اور بلاشبہ وہ (قرآن) رب العالین کی طرف سے نازل کردہ ہے (آکر رسول) اسے روح الامین واضح عربی زبان کے ساتھ لے کر آپ کے قلبِ اطہر پر نازل ہوا تاکہ آپ آگاہ کرنے والوں میں سے ہو جائیں اور بلاشبہ وہ قرآن

ہی تمام پہلی کتابوں میں موجود تھا۔

• دیکھئے! ان آیات مجیدہ سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ قرآن عربی زبان کا قرآن ہے۔  
 • مذکورہ مقدس اس زبان کا قرآن تھا جو حضرت داؤدؑ اور آپؐ کی قوم کی زبان تھی۔  
 • وغیرہ پس ثابت ہوا کہ اگر قرآن کی ہر سورت مجیدہ کے شروع میں یہ ہدایت نازل کر دی گئی ہے  
 کہ اسے طبع، سادگی، طنز و مزہ، اتار و اٹھارے چٹے کے ساتھ گایا جائے تو یہ چیز بھی باور کی  
 جاسکتی ہے کہ مذکورہ مقدس کے ہر باب کے شروع میں بھی یہ ہدایت نازل کر دی گئی ہوگی کہ  
 ہر باب فلاں فلاں سائے کے ساتھ گایا جائے۔ مگر قرآن مجید میں چونکہ ایسی ہدایت کوئی نہیں  
 اس لیے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو خواہ وہ قرآن مجید کی ہوں یا تورات شریف کی  
 اور اسی طرح خواہ انجیل پاک کی ہوں یا انجیل مقدس کی انہیں طبع، سادگی و مزہ کے ساتھ گائے  
 کا تصور ایک گہری سازش ہے جس کا اہل اسلام پر کم از کم اثر یہ ہو چکا ہے کہ سادگی کی مگر  
 در طبع کی تحاپ جس سے خود بقول طلوع اسوم عقل کے سورج آف ہو جاتے ہیں، سنت  
 داؤدی کی سند سے حلال قرار دے کر پورے عالم اسلام کے ریڈیو اسٹیشن امت کو  
 دینی کی انون بلاتے چلے آ رہے ہیں۔

**ذبورہ مقدس بھی ایک ضابطہ حیات ہے:** • پھر جیسے کہ ۳۶ کی سند

تذکرۃ زبد الاولیاء کے مطابق ثابت کیا چکا ہے کہ مذکورہ داؤدی سمیت  
 تمام سابقہ کتابوں میں قرآن مجید ہی موجود تھا اور قرآن مجید اپنے تکراری اعلان:  
 (۵) "إِنَّ هَذِهِ تَذْكِرَةٌ ۖ فَمِنْ شَاءِ اتَّخَذَ الْإِنسَانُ سَبِيلًا" (۳۶ + ۳۷)

کے مطابق خدا تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ ضابطہ حیات ہے۔ اس لیے ثابت  
 ہوا کہ جملہ زبد الاولیاء، معہ مذکورہ مقدس ایک ہی ضابطہ حیات تھیں تو پھر کیا ضابطہ  
 حیات کو بغور پڑھنے اور اس پر عمل کرنے کا حکم، حکم خداوندی مانا جاسکتا ہے یا طبع، سادگی  
 و گھڑے سے کے ساتھ گائے عقل و بصیرت کا سورج آف کر دینا ارشاد باری تعالیٰ ہو سکتا  
 ہے جیسے کہ مذکورہ داؤدی یعنی عبرانی قرآن مجید کی ایک آیت مجیدہ: "وَجَعَلْنَا نَقْلَ كِتَابِكَ" ہے  
 جس کی ترجمہ: "وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الْفُرْقَانِ" کے الفاظ میں دی گئی ہے۔



”أَنْتَ الْأَوْثَقُ يَوْمَ تَبْلُغُهَا عِبَادَتِي الصَّالِحُونَ“

”یہ کہ بلاشبہ زمین کے وارث میرے صامع بندے ہیں“

تو اب بتائیے کہ کیا نبور مقدس کی آیت مجیدہ کو بغور پڑھنے اور ایسے اعمال انجام لانے کا حکم ثابت نہیں ہوتا جن سے وراثتِ ارضی میسر آئے پھر اس کے برعکس ”أَنْتَ الْأَوْثَقُ يَوْمَ تَبْلُغُهَا عِبَادَتِي الصَّالِحُونَ“ کے جملے کو سرنگی کی سر اور طبعی کی تھاپ کے ساتھ لگاتے رہنے کی کون سی تک ہے اور یہ تصور کس عقل و بصیرت کے میزان پر پویا اثر سکتا ہے؟ نبور مقدس میں بھی وہی دین اور اس کی وہی شرح ہے۔ سورہ شورعی میں ارشاد ہوا ہے: ”وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ مِنْكُمْ فَعَلَيْهِ مَا يَصْنَعُ“

”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا حِذْرُكَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَمَا يَأْتِيهِمْ وَمَا يَخْرُجُونَ“

”اِقْبِلُوا إِلَيَّ وَلَا تَفَرَّقُوا فِيهِ“ (۳۳)

”ایمان والو! اللہ نے تمہارے لیے اسی دین کی شرح کر دی ہے جس کا حکم نوح کو دیا تھا اور وہی جو اسے رسول ہم نے آپ کی طرف وحی کی ہے اور وہی شرح جس کا حکم ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا تھا۔۔۔۔۔ یہ کہ ہمارے اکلوتے دین اور اکلوتی شرح کو قائم رکھو اور ایک ایک نبیوں کی ایک ایک شرحوں کا باطل نظریہ قائم کرنے اس میں اختلاف پیدا نہ کر لینا۔“

اس آیت مجیدہ سے ثابت ہے کہ جو شریعت ان خصوص پر نازل کی گئی تھی وہی شریعت حضرت داؤد و سید سابقہ جملہ انبیاء علیہم السلام پر نازل ہوئی تھی۔ خود فرمائیں کہ اب شریعت مشتمل ہے ہر قسم کے مختلف احکام و مسائل پر مثلاً صوم و صلوٰۃ اور حج و زکوٰۃ کے احکام۔ (۶) کتب علیہم الصلوٰۃ و الصیام، و القیوٰۃ و الصلوٰۃ و الزکوٰۃ اور اتمو الحج

والعمرة و غیرہ۔

کیا ان احکام کو موسیقی کے مختلف سازوں کے ساتھ گایا جائے گا۔ یا ان پر انگ لگ عمل کیا جائے گا؟ اسی طرح قرآنی شریعت واحد کے اور درجنوں مسائل میں متعلقہ حصص وراثت، نکاح و طلاق، آدم حیس و طہارت جو نبور مقدس میں بھی من وعن نقل کیئے گئے تھے کیا ان میں سے ہر باب کے شروع میں یہ ہدایت نازل کر دی گئی تھی کہ اسے فلاں ساز کے ساتھ گایا جائے یعنی طبعی کی تھاپ کے ساتھ سارنگی کی سر میں ستر ملا کر گایا جائے۔

”فَاعْتَدِلُوا الصَّالَةَ الْمَحِيضَةَ وَلَا تَقْرَبُوا هُنَا حَتَّى يَطْهَرُوا“ (۲۳۳)  
یعنی گایا کرو حیض کے دوران عورتوں سے الگ رہو اور اس وقت تک ان کے قریب  
رہنا ناجب تک وہ پاک نہ ہو جائیں۔ کاش اہل اسلام، محرفینِ تورات، دشمنانِ اسلام کی  
سازش کو سمجھیں۔ ناسخ کے نبی اور عظیم سلطنت کے سربراہ داؤد اعظم کو گویا وہ  
ناچا ٹھہرائیں اور نہ ان کی سنت کے نام سے طبلہ، سازنگی اور گھڑا، چٹنا، وغیرہ خلعت  
کو اسلام میں داخل کریں۔

**تبصرہ نمبر ۱** | تیسرے نمبر پر اقتباس زیر بحث میں کہا گیا ہے کہ زبور مقدس کے آخری باب  
میں ہدایت کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ستائش کرو۔ قرنا بھونک کر، ستار کی  
سر چھٹ کر، طبلہ بجا کر، جھانچھ یعنی گھنگھرو بجا کر اور ناچ کر، پیچھے تبصرہ نمبر ۲ میں یہ ثابت کیا جا  
چکا ہے کہ قرآن کریم اور زبور مقدس میں ایک ہی دین کی ایک ہی شرع، ایک ہی حد کے احد  
کی طرف سے نازل کی گئی تھی۔ قرآن کریم کی رو سے جہاں تک اللہ تعالیٰ کی زبانی حمد و ثنا کرنے  
کا تعلق ہے وہ ہے مقامِ صلوٰۃ موقت یعنی نماز۔ اب کیا یہ چیز تسلیم کی جاسکتی ہے کہ صلوٰۃ موقت  
یعنی نماز میں طبلے سازنگی کے ساتھ گاکر اور پیروں میں گھنگھرو باندھے ہوئے ناچ کر اللہ تعالیٰ  
کی حمد و ستائش کی جائے گی۔ فاعتبدوا یا اہل الابصار۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت مبارکہ سے پہلے اہل مکہ نے جو اپنے آپ کو دینِ ابراہیم  
کا پیروکار کہتے تھے، صلوٰۃ موقت (نماز) کو تالیوں، سیٹیوں میں تبدیل کر لیا ہوا تھا جس کی خبر  
سورۃ النحل میں بالفاظ ذیل دی گئی ہے۔ وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ الْأَمَّاءِ  
وَقَصْدِيهِمْ ۖ وَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ۚ اِنَّ كَثِيرًا مِّنْهُمْ سَافِرُونَ ۚ اِنَّ كَثِيرًا مِّنْهُمْ سَافِرُونَ ۚ  
وَقَصْدِيهِمْ ۖ وَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ۚ اِنَّ كَثِيرًا مِّنْهُمْ سَافِرُونَ ۚ اِنَّ كَثِيرًا مِّنْهُمْ سَافِرُونَ ۚ  
(ناچ گانا) تھی۔

موسیقی کے دو حصے ہیں۔ ساز اور آواز۔ تالیاں از قسم ساز ہیں اور سیٹیاں از قسم آواز۔  
خدا تعالیٰ نے مکات و تصدیہ کے الفاظ میں پوری موسیقی، ساز اور آواز دونوں کی مذمت کر  
رکھی ہے۔ تالیوں میں بھی بلند آواز سر پیدا ہوتی ہے اور سیٹیوں میں بھی۔ تالیوں کے ضمن میں ہر  
قسم کی ٹمریں، جھانچھ، گھنگھرو اور ناچ شامل ہیں اور سیٹیوں کے ضمن میں سارے، گاما، پاؤ  
وغیرہ کے تمام راگ موجود ہیں۔ آیت مجیدہ ۱۱۱ میں موسیقی کے ساز اور آواز دونوں کا رد کر دیا  
گیا ہے۔ اب غور فرمایا کہ وہ ناچ گانا جس کی قرآن کریم نے قیامت تک کے لیے مذمت کر

دی ہے۔ اسے محرفین تورات نے زبور مقدس کا تنزیہی حکم منوانے کی گہری سازش کر رکھی ہے مگر خدا تعالیٰ نے موسیقی کے ساز اور آواز دونوں کا رد کر کے اسے بے نقاب کر دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی حمد و ستائش جس طرح مردوں پر فرض ہے اسی طرح عورتوں پر بھی فرض ہے۔

پھر غور طلب یہ امر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ستائش جس طرح مومن مردوں پر فرض ہے اسی طرح مومنہ عورتوں پر بھی فرض ہے۔ پس اگر محرف تورات کے مطابق اللہ کی حمد و ثنا و طبلہ سازنگی کے ساتھ نارج گاکر کرنا فرض مانی جائے تو ظاہر ہے کہ عورتوں کو بھی مردوں کے ساتھ مل کر ناچنا ہوگا اور یا انھیں گھنگھڑ باندھ کر ناچنے کے الگ اکھاڑے قائم کرنے ہوں گے۔ البیاض باللہ! کیونکہ اللہ کی حمد و ستائش کے فریضہ سے وہ بھی مستثنیٰ قرار نہیں دی جاسکتیں۔ لیکن اگر قرآنی بصیرت کے ساتھ معمولی سا غور کر کے زحمت بھی گوارا کی جائے تو کھل کر سامنے آ رہا ہے کہ ناحق گانا، تالیاں، سیٹیاں وغیرہ جن کی اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب لاریب، قرآن مجید میں مذمت فرمائی ہے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ انہی ناچ گانوں، تالیوں، سیٹیوں کا حکم اس نے اپنی سابقہ کتاب زبور مقدس میں نازل کیا ہو۔

پھر اس اقتباس میں زبور مقدس کی طرف منسوب کر کے اللہ تعالیٰ کی حمد و ستائش کا طریقہ بتایا گیا ہے۔ بلند آواز جھانجھ یعنی گھنگھڑاؤں کی بجائے۔ حالانکہ قرآن مجید نے خدا کی حمد و ثنا کے لیے خود انسان کی ذاتی آواز کو بھی درمیان رکھنے کا حکم دیا ہے۔ چلا کر یا گلا بھاڑ کر حمد کرنے کی اجازت نہیں دی۔ جیسے کہ سورہ بنی اسرائیل میں خود آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو غلط کر کے حکم ہوا ہے۔

ولا تجھربصلا تہ ولا تخافت بها وابتغ بین ذالک سبیلا۔ وقل الحمد للہ الذی لم یخذلنا ولداً علیاً اور (اے رسول!) آپ اپنی صلوٰۃ میں نہ اونچی آواز رکھیں (چلا کر بھی نہ بولیں) اور نہ اسے بالکل مخفی کر دیں بلکہ ان دونوں کا درمیانی راستہ اختیار کریں اور درمیانہ آواز کے ساتھ) کہا کریں۔ الحمد للہ الذی..... الخ۔

تعب کی بات ہے کہ اگر خدا تعالیٰ قرآن حکیم میں اپنی حمد و ستائش کے لیے انسانی آواز تک کو اونچا کرنے کی اجازت نہیں دیتا اور ادھر یہ مان لیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زبور میں بلند آواز آلات موسیقی کے شور میں گاکر یعنی گلا بھاڑ کر حمد و ستائش کرنے کا حکم دے رکھا ہے تو لا تجھربصلا تہ کے الفاظ پر غور فرمائیں جو کہا گیا ہے کہ اے رسول! اپنی نماز میں ہماری

حمد و ستائش کے لیے اونچی آواز نہ کریں۔ پس اس کے برعکس بلند آواز آلات موسیقی کے ساتھ گانے کے لیے خواہ حمد ہی کیوں نہ گائی جائے، گوئیوں کو پورے کا پورا گلا پھاڑ کر اس قدر اونچی آواز نکالتی پڑتی ہے کہ گردن کی رگیں پھول کر باہر ابھرتی ہیں۔ کیا محرف زبور کے اس خود تراشید تصور کو قرآن مجید کے حکم لا تجهر بصلاۃ ثلاث اور قل الحمد لله الذی اللہ کے ساتھ کوئی دور کا تعلق بھی ہے؟ جس میں کہا گیا ہے کہ ہماری حمد و ستائش کے لیے گلا پھاڑنا تو درکنار، ذاتی آواز تک کو بھی اونچا نہ کریں۔ پس  $\frac{۱۶}{۱۱۱}$  کی آیت قرآنی سند ہے بصورت نصف النہار ثابت ہوا کہ ناچ، گانے اور بلند آواز حجامہ گنگنہ ٹول وغیرہ کے ساتھ اللہ کی حمد و ستائش کرنا نہ حکم زبور مقدس ہے نہ سنت داؤد علیہ السلام۔

● چوتھے نمبر پر اقتباس زیر نظر میں یہ کہا گیا ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ تورات میں بہت کچھ تخریف ہو چکی ہے لیکن ہم موسیقی کے متعلق اس بیان کو اس لیے قابل قبول سمجھتے ہیں کہ جب قرآن میں جنتی معاشرہ میں موسیقی کی محفلوں کا ذکر ہے تو یہ باور کیا جاسکتا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اس فن کی تہذیب و تہذیب کی ہوگی۔ جس کی تائید کتب احادیث کی شرحوں سے بھی ہوتی ہے جیسے کہ حافظ ابن حجر عسقلانی کی فتح الباری میں ہے کہ حضرت داؤد باجے کے ساتھ گایا کرتے تھے۔

● اس اقتباس میں پہلے نمبر پر موجود تورات کو محرف تسلیم کرنے کے باوجود موسیقی سے متعلق مذکورہ خبر کو صحیح تسلیم کرنے کی یہ صد فیصد باطل دلیل دی گئی ہے کہ قرآن مجید میں جنتی معاشرہ میں موسیقی کی محفلوں کا ذکر موجود ہے۔ پیچھے بتایا جا چکا ہے کہ سورہ انفال ۴۴ میں ناچ گانوں، تالیوں، سیٹیوں کی مذمت کر دی گئی ہے۔ نیز ۲۴ میں اعلان عام کیا گیا ہے کہ قرآن مجید میں اختلاف کا گزرتا تک موجود نہیں۔ اس لیے یہ کہنا کہ قرآن مجید میں جنتی معاشرہ میں موسیقی کی محفلوں کا ذکر ہے، آیات مجیدہ ۴۴، ۲۴ دونوں کی تکذیب ہے۔ واضح رہے کہ، طلوع اسلام کے مقالہ نگار کو ۳۵۸ فاما الذین امنوا و عملوا الصلحت فهم فی روضۃ یحسرون میں آمد لفظ یحسرون سے غلطی لگی ہے جیسے کہ صفحہ ۱۰ پر اس کا مفہوم لکھتے ہیں: "سر سبز و شاداب باغات میں نہایت شستہ اور اعلیٰ پایہ کی موسیقی کی محفلیں" اس آیت سے موسیقی کی محفلوں کا مفہوم اخذ کرنا سب سے زوری کے سوا کچھ نہیں کیونکہ اس آیت کا لفظی معنی یہ ہے کہ وہ لوگ جو ایمان لائے اور اصلاح معاشرہ کے کام کیے وہ باغ میں داخل فرمادیاں زندگی کے ساتھ مزین کیے

جائیں گے، نوازے جائیں گے۔ لفظ "مَجْرُون" جمع مضارع مجہول کا صیغہ ہے۔ مادہ ج۔ ب۔ ر۔ جبر سے۔ جبر کا معنی ہے جھک دار و شنائی اور اس کا مصدری معنی ہے۔ مزین کرنا، سنوارنا، زینت دینا۔ جبر اس آدمی کو کہتے ہیں جس نے اپنے آپ کو علم کے زیور سے مزین کر رکھا ہو۔ جبر کی جمع اجار ہے جو یہود کے علماء کے لیے مستعمل ہے۔ تو اس طرح فَهْمٌ فِي رَوْضَةٍ يُحْبَوْنَ کا لفظی معنی یہ ہے کہ وہ باغ میں زینت دیے جائیں گے، خوش رکھے جائیں گے یعنی انھیں ضروریات زندگی عمدہ اور افرامیہ کی جائیں گی۔

بہتی بہروں کے کنارے ہر قسم کے فرنیچر سے مزین خوبصورت رہائش گاہیں، بالاخانے ۲۲ عمدہ، نظر نواز ریشی لباس ۲۲ اور ہر قسم کے عمدہ کھانوں اور پھلوں کی افراط ہے فَهْمٌ فِي رَوْضَةٍ يُحْبَوْنَ کی قرآنی تفسیر نہ کہ جنت میں جگہ بہ جگہ طبلہ اور سرنگی نواز استادوں کے جھگڑوں میں مکہ تفرم ملکہ موسیقی اور ریشیاں وغیرہ اکتالی اور دو تالی کی سروں میں گھنٹوں نہ ختم ہونے والی باہا باہا کی سروں میں محو، مختلف قسم کے تلاطم خیز زادیوں کے ساتھ باہیں اُلا رُلا کر اعضاء جسمانی کی مصروف نمائش پائی جائیں گی۔

● نیز هُمْ فِي رَوْضَةٍ يُحْبَوْنَ کی تفسیر بیان ہوئی ہے۔ فِي حَبْتِ النَّعِيمِ ۵۴ وَ فَالْكَمَةِ وَمَا يَحْكِيُونَ ۵۵ وَ لَحْمٌ حَلِيٍّ مِمَّا يَشْتَهُونَ ۵۶ اور انھیں دیے جائیں گے وہ میوے جنھیں وہ پسند کریں گے اور ان پرندوں کا گوشت جو وہ چاہیں گے وَ حُورٌ عِينٌ كَأَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ لَمْ يَكُنْ لَهَا فُتُورٌ وَ لَمْ يَكُنْ لَهَا بُحُورٌ ۵۶ اور وہ ایسے جوڑے ہوں گے جیسے موتی محفوظ کیے ہوئے۔ لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا وَ لَا تَأْتِيهِمُ الْآفَاتُ سَلَامًا ۵۷ اور نہ وہ اس میں کوئی لغو بات سنیں گے اور نہ گناہ کی کوئی خبر سوائے اس کے کہ ہر طرف سلام سلام کی گونج اٹھ رہی ہوگی۔

● دیکھیے جنت کی تعریف میں کہا گیا ہے کہ وہاں کوئی لغو بات سنائی نہیں دے گی تو اب بتائیے کیا طبلہ سارنگی اور سارے گاما پادا کے اوزان پر چلائی ہوئی سریں لغو نہیں؟ جبکہ لغو کا مصدری معنی ہے تلانا، شور مچانا۔ کیا گویا ہے۔

● پورا گلا پھاڑ کر چلاتے نہیں؟ لغو سے وہ فضول عمل مراد ہے جس سے کچھ حاصل نہ ہو۔ اب بتائیے موسیقی کی محفیں کیا فضول نہیں ہیں جن سے گھنٹوں کی سمیع خراشی کے تفضیع و قات کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ رات رات بھر کی موسیقی سے جگراتے کے ساتھ صحت کی خرابی کے سوا کیا حاصل ہوتا ہے؟ آدھی آدھی رات تک کا وقت ضائع کرنے والے صبح کو



دس بجے بستر سے اٹھتے ہیں۔ نہ نماز نہ سجدہ نہ اللہ کے حضور حاضری۔ ایسے لغو اور فضول عمل کا جنت اور جہنم معاشرہ سے کیا تعلق؟ پھر تو اہل قسم کے ہزاروں افراد کیا معاشرے پر بوجھ نہیں بنے رہتے۔ اگر گانا اور گیت نہ ہوں تو معاشرہ کا کونسا کام رک جاتا اور معاشرہ کی گاڑی کو کون ساکن کر دیتا ہے؟ کیا یہ تو اہل لوگ بہترین صنعت کار، کاشتکار، ڈاکٹر، انجینئر اور سکول ماسٹر نہیں بن سکتے؟ واضح رہے کہ جب ان کے بغیر معاشرہ کا کوئی کام ہرگز ہرگز نہیں رکتا تو صاف ثابت ہوا کہ یہ لوگ قرآنی لغو کی فہرست میں آتے ہیں۔ اسلامی، قرآنی یا جنتی معاشرہ میں از روئے قرآن موسیقی کا کوئی مقام نہیں ہے۔

● قرآن کریم کا مستقل اسلوب بیان یہ ہے کہ وہ ہر الجھن کو تقابلِ ضدین کے ذریعے حل کرنا چلا جاتا ہے۔ آیت مجیدہ ۳۰ میں مومنوں، نیکوکاروں کے متعلق ارشاد ہوا ہے۔ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ فِيْ ذٰوْنِ الْحَيٰوةِ نَجٰتٌ وَّ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ اور اس سے اگلی آیت ۳۱ میں ان کی ضد کا فروں بدکاروں کے متعلق بتایا گیا ہے۔ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَانُوْا بِآيٰتِنَا وَلَقَاۗءِ الْاٰخِرَةِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِكُوْنَ جن لوگوں نے ہمارا آیتوں اور آخرت کی عدالتِ عالیہ میں اعمال کی جوا بدہی کا انکار کیا اور اسے جھٹلایا وہ عذاب میں حاضری کے جامیں گے۔

● اب دیکھیے فی ذٰوْنِ الْحَيٰوةِ نَجٰتٌ کی ضد لائی گئی ہے۔ فی الْعَذَابِ مُخَفَّوْنَ یعنی یحبون ضد بیان ہوئی ہے عذاب میں حاضری کے جانے کی۔ اب غور فرمائیں! کیا عذاب کی ضد موسیقی کی مفہول قرار دی جا سکتی ہیں؟ جب کہ عذاب کا معنی ہے ضروریاتِ زندگی سے محرومی اور اس کی ضد ہے ضروریاتِ زندگی کی فراوانی، نہ کہ موسیقی کے اکھاڑے۔ پس قرآنی اسلوب بیان تعریفِ آیات اور تقابلِ ضدین سے صاف ثابت ہو چکا کہ موسیقی لغو محض ہے جس کے بغیر معاشرہ کی گاڑی میں معمولی سی رکاوٹ بھی پیدا نہیں ہوتی۔ اگر اسے ختم کر دیا جائے تو قوالوں گویوں اور ناچوں کی قسم کے ہزاروں افراد سے معاشرہ کی ترقی و دیہود کے لیے افرادی توت کی بہترین خدمت لی جا سکتی ہے۔ قرآن کریم موسیقی کے حق میں ہرگز نہیں، محرف تورات میں حضرت داؤد کی طرف موسیقی نوازی کا بہتان دشمنانِ اسلام تحریفین تورات کا خود تراشیدہ ہے۔

● اقتباس نمبر۔ زیر نظر میں دوسرے نمبر پر دلیل لائی گئی ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی کی فتح الباری شرح بخاری کی، کہ اس میں لکھا ہے۔ حضرت داؤد باجے کے ساتھ گایا کرتے تھے۔ جوا با عزم ہے کہ جس طرح محرف تورات سے طلوعِ اسلام کے مقابلہ لگا کر دھوکا ہوا

ہے۔ اسی طرح حافظ ابن حجر بھی غلط فہمی کا شکار ہو گئے ہیں۔ فتح الباری کے قول کو نہ قرآن کریم کی سند حاصل ہے اور نہ وہ حجت ہو سکتا ہے۔

پانچویں نمبر پر اقباس زیر نظر میں موسیقی کے جواز پر کتب روایات سے تبصرہ نمبر ۵ | یہ دلیل پیش کی گئی ہے کہ مسجد نبوی میں حبشیوں کا ناچ ہو رہا تھا اور حضور ام المومنین حضرت عائشہؓ کے ساتھ تماشا دیکھ رہے تھے۔ جو اباباعرض ہے کہ کتب روایات کو سند و حجت کا مقام حاصل نہیں۔ سند و حجت صرف قرآن حکیم ہے جس کی رو سے موسیقی لغوی کی نہرت میں آتی ہے جس کے بغیر معاشرہ کا کوئی کام ہرگز نہیں رکتا۔ کتب روایات نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ناچ نواز اور ناچ پسند کر کے آپ کی توہین کی ہے۔ کیونکہ آنحضورؐ کو چشمہ کے مطابق تالیوں، سیٹیوں یعنی ناچ گانوں کے ساتھ کوئی لگاؤ نہیں تھا بلکہ حکم باری ان لغویات سے سخت نفرت تھی۔

تبصرہ نمبر ۶ | طلوع اسلام جولائی ۱۹۶۹ء کے فاضل مقالہ نگار موسیقی کے حق میں صفحہ ۱۹ سطر ۱۲ پر ایک دلیل یہ بھی لائے ہیں۔ ہو کہ گردانے والی موسیقی کے اثرات کا اندازہ تو ہم بھارت کے ساتھ ۱۹۶۵ء کی جنگ میں کر چکے ہیں۔ ۶ ستمبر کی صبح کو لاہور پر ہندوؤں کے اچانک حملے سے فضا میں جو اضطرابی کیفیت پیدا ہو گئی تھی، شام کو جب ریڈیو سے "ساتھیو! مجاہدو جاگ اٹھا ہے سارا وطن" کی فنک نرگات آواز پورے دہلیہ اور مظفر کے ساتھ سکوت شکن ہوئی تو اس نے ہوا کا رخ بدل دیا۔ اس سے دلوں میں نئے دلوں نے پیدا ہو گئے اور ہمتیں بلند سے بلند تر ہو گئیں۔ اس کے بعد مسلسل سترہ دن تک بلی ترائوں نے فضا میں ارتعاش پیدا کر رکھا تھا..... یہ ہمارا پہلا تجربہ تھا۔ اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ پیغام حیات افزہ کے ساتھ معنی آتش نفس کی نشید جلال انگیز بھی شامل ہو جائے تو یہ کس قدر وجہ فروغ جنیات ہو سکتی ہے۔

• جو اباباعرض ہے کہ محترم مقالہ نگار کی بھول ہے کہ ۱۹۶۵ء کی جنگ میں فتح کی ایک وجہ گویا مرد عورتوں کی نشید جلال انگیز بھی تھی۔ جبکہ ۱۹۶۱ء کی پاک بھارت جنگ میں بھی تو گویا عورتیں اور مرد گلا پھاڑ پھاڑ کر "ساتھیو! مجاہدو! جاگ اٹھا ہے سارا وطن" کے ترانے الاپتے رہے تھے مگر ہوا یہ کہ جنگ ایک ایسی شکست پر ختم ہوئی جس کی مثال تاریخ عالم میں موجود نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ۱۹۶۵ء کی جنگ میں پاکستان کی ہوائی طاقت بھارت کے

مقابلے پر تیز رفتار طیاروں کی حامل تھی جس کی بدولت بھارتی فضائیہ پہلے ہی دونوں کے اندر مغلوج کر دی گئی اور اسے شکست نصیب ہوئی مگر ۱۹۶۱ء کی جنگ میں بھارت کی فضائی قوت پاکستان سے کئی گنا برتر تھی جس نے پاکستانی فضائیہ کو مغلوج کر دیا اور تیجہ اس کے حق میں برآمد ہوا۔ جس کی فوجی قوت زیادہ تھی۔ ۱۹۶۵ء میں قومی ترانوں سے پاکستان کو فتح میں مدد ملی اور ۱۹۶۱ء میں بھارتی ترانوں نے اسے فتح سے ہمکنار کیا تھا۔

● دشمن کا مقابلہ کرنے کے لیے ارشاد باری ہے **وَاللّٰهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ دِبَاطِ الْمَخِيلِ** مترجموں بلہ عدا واللہ وعدا وکمہ بے ایمان والو! دشمن کے مقابلے کے لیے استطاعت بھر زیادہ سے زیادہ فوجی قوت تیار کر کے رہو اور تمھارے ہاں ذرائع رسل و وسائل کی بھی بہتات ہو کہ تم اس فوجی قوت کے ساتھ اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو دہلا کر رہو (تاکہ وہ تمھاری طرف میل نگاہ کے ساتھ دیکھنے تک کی بھی جرأت نہ کر سکیں۔

● اسلامی ریاست، جس میں حضرت عمرؓ کی طرح سربراہ ریاست کارات کو گلیوں کی گشت کر

کے محمدؐ میں ربوبیت کو ان کا حق ربوبیت بہم پہنچانا فرض ہوتا ہے، سربراہ و حکام کا ذہن موسیقی کی فضولیات کی طرف کس طرح جاسکتا ہے۔ یہ ناچ گانے کی عیاشی ملکیت کی پیدوار ہے۔ جس میں عوام بھوکے رہیں یا تنگے، سربراہ مملکت اور اس کے حکام کی بلا سے، انھیں ہر شنب، شنب، شنب، شنب اور ہر روز روزِ عید کی صورت میں تعبیر کرنے کے لیے طبلہ، سازنگی اور ناچ گانوں سے ہی سروکار ہوتا ہے اس لیے ظاہر ہے کہ موسیقی پیداوار بھی ملکیت ہی کی ہے اور اس کی سرپرستی کہ اسے عروج پر پہنچانے کا سہرا بھی بادشاہوں ہی کے سر ہے جو مظلوم و مقہور عوام کی دردناک فریادوں اور بھگت پاش چیلوں کو سننے کے بجائے ہر وقت ساز کی آواز ہی کے ساتھ بدست رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ بادشاہ سلامت کو صبح سویرے بستہ سے جگانے کے لیے ایک حسین و جمیل لوندی کو ان کے کان کے پاس سرنگی بجانا پڑتی تھی اور اب بھی بجانا پڑتی ہے۔

● حضرت داؤد اعظم سمیت جملہ انبیاء و کرام کا ایک ہی مشن تھا۔ تبلیغ وحدت باری اور قیام ربوبیت عالمی۔ ناچ گانا اور طبلہ سرنگی کے ساتھ انبیاء علیہم السلام کو دور کا تعلق بھی نہیں تھا۔ کیونکہ ہر نبی اور ان کے خلفاء کا فریضہ ہی یہ تھا کہ ہر بھوکے کو کھانا، ہر بیمار کو

علاج، ہر کسی کو حسب ضرورت لباس اور ہلکے یا یہ مکان میسر ہے۔

اس کے ثبوت کے لیے حضرت عمرؓ کا تاریخی واقعہ کافی ہے کہ ان کے عہد خلافت میں ایک شخص نے آپؐ کو جو کی روٹی کھاتے ہوئے دیکھا تو عرض کیا یا امیر المؤمنین مصر فتح ہو چکا، مصر کی گندم یہاں پہنچ چکی ہے اور آپؐ اب بھی جو کی روٹی کھا رہے ہیں تو آپؐ نے فرمایا کہ تمہارا کہنا درست ہے مگر ابھی تک مجھے یہ یقین نہیں ہوا کہ عوام کے ہر فرد تک گندم پہنچ چکی ہے۔ پس اس واقعہ کے مطابق کھل کر ثابت ہو چکا کہ اگر قبلہ، سرزمین اور نایاب گانا حال بھی ہو تو کسی مسلمان سربراہ کا ذہن جو عوام کی ربوبیت عالمینی کے لیے وقف ہو چکا ہے۔ اس کی طرف جا ہی نہیں سکتا۔ چہ جائیکہ اللہ کی طرف سے موسیقی کی دونوں قسموں، ساز اور آواز مکمل و تصدیقہ تالیف اور سیٹیوں دونوں کی خدمت موجود ہو اور اللہ تعالیٰ کے عظیم المرتبت نبی داؤد اعظم خدا تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہوئے باجے گاجے اور نایاب گانے میں مشغول پائے جائیں اور اسلحہ سازی کے حکم باری کے خلاف نئے نئے ساز، قبلہ،

اسرار احمد سہادری

## طلبل جنگ

بیشیار ہو غافل کہ بجائے طلبل جنگ  
جھکار سلاسل کی صدا دیتی ہے ہر دم  
میلقل ہے فردی تیر و تیغ کی ہر دم  
اٹھ تجھ کو بلاتی ہے صدا آہ و فغان کی  
شیر و سان جو دم کے لئے چل سوئے ہیجا  
اب آتش فرد و دہکتی ہے جسم میں  
نعموں کی جگہ گریئے پیہم کی صدا اس  
نافقش جہد ماند نہ پڑ جائے کہیں سے  
ہے قوت ایمان کا یہ ادنیٰ سا کہ شہد  
ما تم کی صدا میں چلی آتی ہیں جسم سے  
میدار ہوا بوقت نہیں سست روی کا

ہر سمت تباہی کے ہیں آثار ہویدا

ہر جا درو دیوار نظر آتے ہیں شہر ننگ



## حضرت مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ صاحب

قوموں کا عروج و زوال، انحطاط و ارتقاء اور زندگی کا دار و مدار ان کی اپنی تاریخ پر منحصر ہے۔ زندہ قومیں ہمیشہ اپنی تاریخ کے آہم و روشن احوال پر گہری نظر رکھتی ہیں۔ جو قوم اپنی تاریخ کو بھلا دیتی ہے۔ یقیناً وہ ایک دن زوال پذیر ہو جاتی ہے۔ تاریخ اصل میں افراد کی حیات و ممات کے علاوہ تمدنی، معاشی، معاشرتی، سیاسی، مذہبی و اخلاقی اور دماغی کارناموں کا مرقع ہوتی ہے۔ سوانح و تذکرے تاریخ ہی کا حصہ ہیں۔ جن میں فرد کے خصوصی کارنامے، مذہبی و اقتصادی اصلاحات کے ساتھ ساتھ ان تمام افکار و عوامل کا سیر حاصل تذکرہ موجود ہوتا ہے جس کے ذریعہ فرد و عوام کی نگاہوں میں غیر معمولی مقبولیت و جاذبیت کا حامل ہوتا ہے۔

سوانح و تذکروں کی ترتیب کا دوسرا اہم مقصد یہ ہوتا ہے کہ فرد کے اہم کارناموں کی انجام دہی ملی و مذہبی عظیم اصلاحی پہلوؤں کی طرف خیالات و افکار کا میلان نظر کی جاتی صلاحیتوں کی نشو و نما اور کارزار حیات کے نشیب و فراز کی واضح تصویر کو تاریخی کے سامنے لایا جائے۔ نئی نسلیں ماضی میں اپنے اسلاف کے حیات آفرین کارناموں سے واقفیت کے بعد ہی مستقبل کے لیے ٹھوس اور پائیدار لائحہ عمل معین کرتی ہیں۔ اس میدان میں جب ہماری نظریں کسی مشہور و معروف شخصیت کی تاریخ سے مزین صفحہ پر پڑتی ہیں تو اچانک ایک ہر گیر شخصیت سامنے آ جاتی ہے۔ یا کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جن قوم کی تاریخ کا ہم مطالعہ کرنا چاہیں گے تو بیک وقت اس قوم کی اہم شخصیتیں ایک ایک کر کے سطح ذہن پر آ جاتی ہیں۔ اسی طرح ملتوں اور جماعتوں کی تاریخ کا حال ہے۔

مولانا ثناء اللہ امرتسری مرحوم کی عظیم شخصیت عموماً عالم اسلام اور خصوصاً ہندوپاک میں محتاج تعارف نہیں۔ قوم کا ایک ایک فرد ان کی ذات گرامی سے واقف ہے۔ مرحوم کے تجربہ علمی کا اعتراف عرب و عجم نے کیا، جیسا کہ عالم اسلام کے نامور عالم علامہ سید رشید رضا



نے اپنے عالمگیر شہرت رکھنے والے پرچہ "النار" میں لکھا۔

"کہ مولانا شاعر اللہ برصغیر ہند میں اسلام اور مسلمانوں کے سب سے بڑے وکیل ہیں اور ان کی خدمت اور ان کے زہد و تقویٰ کو دیکھ کر ایک آدمی کہہ سکتا ہے کہ وہ عام آدمی نہیں بلکہ راجل الہی ہیں۔"

(مجلہ النار! مجلد ثالث وائل ثلاثون لسنة ۱۳۵۱ھ ص ۶۳۹)

اللہ تعالیٰ نے جن خصوصیات سے آپ کو نوازا تھا۔ اس کی مثال و نظیر جلدی میں نہیں مل سکتی۔ دنیا میں اسلام میں ماہ درخشندہ بن کر چمکے۔ علم و فضل میں، زہد و ورع میں، دیانت و امانت میں، راستبازی و حسن معاملگی میں ہمیشہ سلف رہے۔ فنِ حدیث ہو یا فنِ تفسیر، فنِ منطق ہو یا فلسفہ، فنِ ادب ہو یا تاریخ، ہر فن میں آپ ایک امام کی حیثیت سے نظر آتے ہیں۔ ذہانت و خطابت میں انہی نظیر آپ تھے۔

جب بھی کتاب و سنت پر کسی نے حملہ کیا تو اس شیر خدا نے فوراً دندان شکن جواب دیا۔ جب بھی کسی فرقے والے نے مناظرہ کا چیلنج کیا تو اس مردِ مجاہد نے آگے بڑھ کر چیلنج کا جواب دیا۔ چنانچہ مسیحیت، قادیانیت، بہائیت اور روافض اور دوسرے بہت سے فرقوں سے مناظرہ کر کے حریف کو شکست ناش دی۔ آپ اسلام کے نڈرا و رہا دار سپاہی تھے۔

آہ کس طرح مرحوم لکھوں۔ جو زندگی سے بھرپور تھے۔ جنہیں اسلام اور ملت اسلامیہ کی صلاح و فلاح کے لیے اپنی زندگی وقف کر دی تھی۔ جس نے زندگی کی ساری امنگوں اور حوصلوں کو، ترقی کے سارے امکانات کو، عروج و زوال کے تمام توقعات کو ٹھکرا دیا۔ وہ عربی زبان میں وہی دسترس رکھتے تھے جو ایک اہل زبان رکھتا ہے۔ فارسی پر بھی کافی عبور تھا۔ اردو تو گویا ان کے گھر کی لڑائی تھی۔ جس کا دل بھی مسلمان تھا۔ داغ بھی، اور فکر و تخیل بھی، وہ دشمنوں کو دوست بنا لیتے تھے۔ دوستوں سے مخالفت مول لے لیتے تھے۔ اپنوں سے روٹھ جاتے تھے۔ اگر مقصد اور منزل کا سوال درپیش ہو۔

مولانا شاعر اللہ مرحوم برصغیر پاک و ہند کی ایک عظیم شخصیت تھے۔ ان کا شمار ۲۰ ویں صدی عیسوی اور ۱۴ ویں صدی ہجری کے ان اکابرِ علم میں ہوتا ہے۔ جو یک وقت کئی عظیم صفات کے مالک تھے۔ بقول شاعر مشرق۔

ہزاروں سال بزرگس اپنی بے لوری پر روتی ہے

بڑی شکل ہے ہوتا ہے چین میں دیدہ و پر پیدا

آپ کی ہستی مجموعہ حسنات مجسمہ صفات تھی۔ آپ بذات خود ایک انجن تھے، آپ بیک وقت محدث و مفسر بھی تھے اور محقق و مدقق بھی، خطیب و مقرر بھی تھے۔ مناظر و صحافی بھی تھے اور کہنہ مشق انشا پرداز بھی۔ عالم و فاضل، زاہد و عابد، مجاہد و قوت، غازی و دراز، مرد مومن اور عاشق رسول بھی تھے۔ غرضیکہ!

بہت سی خوبیاں تھیں آپ کی ذات گرامی میں۔

حضرت مولانا مرحوم نے جب ہوش سنبھالا تو اس وقت کئی غیر اسلامی تحریکیں ملک میں جنم لے چکی تھیں جو اسلام پر پوری شدت سے حملہ آور ہو رہی تھیں۔ مولانا مرحوم سب سے پہلے شہسوار تھے جنہوں نے مخالفین کو ہر میدان میں للکارا۔ اسلام کے محاذ پر ہر مخالف معاند اور منافق و شاطر سے مقابلہ کیا اور اسلام کی صداقت و حقانیت کا غلغلہ بلند کیا۔ تحریروں و تقریریں ایک خاص مقام کے حامل تھیں۔

آپ کی ساری عمر علمی و ادبی، اخلاقی اور اصلاحی خدمات میں گزری۔ آپ کی علمی و ادبی خدمات قابلِ داد ہیں۔ آپ نے اپنے علم و فضل میں وہ شہرت حاصل کی کہ مسلمانوں کے علاوہ غیر اسلامی قوموں نے بھی ان کی خدا داد لیاقت و علمیت کا اعتراف کیا۔ ان کے ہاتھ چومے۔ اور دل و جان سے اپنے سہرا نکھوں پر بٹھایا۔

مولانا مرحوم نے جب علوم اسلامیہ سے فراغت پائی تو وہ دور ایک مناظر و کاؤر تھا۔ تمام مذاہب اپنے اپنے ملک کی حقانیت ثابت کرنے پر زور دے رہے تھے۔ مولانا مرحوم نے ہندو، آریہ سماجی، شانتن دھرمی، دیو سماجی، عیسائی، بہائی، یہودی، پارسی، سکھ، نیچری، مرزائی، رافضی، سب کے سب لیڈروں سے کامیاب مناظرے کیے۔ اسلام پر جب بھی کسی غیر مسلم نے حملہ کیا تو سب سے پہلے مدافعت کرنے میں پیش پیش مولانا ثار اللہ مرحوم ہوتے تھے۔ چنانچہ جب ہما شہد اچیاں نے اپنی رسوائے زمانہ کتاب میں خاتم بدہنؔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر بے جا اعتراض کیے تو آپ نے سب سے پہلے اس کا جواب مقدس رسولؐ کی صورت میں دیا۔ اس کے بعد جب سوامی دیانند سرسوتی نے اپنی ایک لکچر اور بے ہودہ کتاب سٹیبل تھ پر کاش میں اسلام پر اعتراضات کیے تو آپ نے اس کے

جواب میں حق پرکاش لکھی۔ جس میں اسلام کی حقانیت، اسلامی تہذیب کی خوبیاں، اور بلند اخلاق کا اعلیٰ معیار قائم کیا۔ سرسید احمد خاں نے جب جدت پسندی سے کام لیا تو ان کے مذہبی افکار پر بھی مدلل تنقید کی۔

ملت اسلامیہ کے مخالفین میں سب سے خطرناک تحریک قادیانیت تھی۔ . . . .  
مولانا شمس الدین مرحوم نے سب سے زیادہ اس کی تردید میں علمی جہاد کیا۔ آپ نے قادیانیت کی تردید میں تقریباً ۲۱ کتابیں لکھیں اور قادیانیت کی تردید میں اتنا کام کیا کہ جماعت مرزا نیہ اور اس کے بانی مرزا غلام احمد قادیانی عاجز آ گئے۔ اور آخر مولانا مرحوم سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے مرزا غلام احمد قادیانی کو ایک اشتہار شائع کرنا پڑا اور جس میں بانی جماعت مرزا نیہ کو یہ کہنا پڑا۔

کہ اے خدا مجھ میں اور شمس الدین فیصلہ فرما۔

اور جھوٹے کو سچے کی زندگی میں ہلاک کر دے۔ . . . .

مولانا مرحوم نے قادیانیت کی تردید میں جو قابل قدر خدمات انجام دی ہیں۔ اس سلسلہ میں خود تحریر فرماتے ہیں۔

”قادیانی طریچہ کو جمع کرنے اور اہل حق کی واقفیت حاصل کرنے میں میں نے بڑی محنت کی ہے۔ جس کا اثر یہ ہوا کہ مولانا حبیب الرحمن صاحب مرحوم ہمت مدد و دیوبند نے مجھ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ ہم تیس سال تک محنت کریں تو بھی اس بارے میں آپ کی واقفیت تک نہیں پہنچ سکتے۔ میں نے کہا۔ یہ تو آپ کا حق ظن اور تواضع ہے۔“

(المحدث ۱۲ ستمبر ۲۳ جنوری ۱۹۴۲ء)

مولانا شمس الدین مرحوم کی ہستی اسلامی دنیا میں وہ مایہ ناز، یکتائے روزگار ہستی تھی۔ کہ ان کی نظیر نہ ان کے معاصرین میں ملتی ہے، نہ بعد والوں میں۔ مولانا مرحوم منقول و منقول کے ایک زبردست جامع عالم و فاضل تھے۔ آپ بہترین فصیح و بلیغ، متکلم اور بہترین مصنف، باکمال مفسر، اعلیٰ درجہ کے مناظر، بلکہ رئیس المناظرین اور شیخ الاسلام تھے۔ آپ نے جو اسلام اور جماعت اہل حدیث کی گونا گوں زریں خدمات دیں وہ اظہر من الشمس

اور ناقابل فراموش ہیں۔

آپ کو جو اللہ تعالیٰ نے بہر قسم کی خوبیاں بخشی تھیں وہ قابل قدر و قابل رشک ہیں۔ لیکن زہد و اتقا و حسن اخلاق، مہمان نوازی، علم و بردباری، قناعت و سنجیدگی، مے باکی، خافہ بولی میں اپنی مثال آپ نہیں رکھتے تھے۔ آپ نے علم و دین، قوم و جماعت و ملت کی وہ بیش بہا خدمات انجام دیں جن کو موجودہ اور آنے والی نسلیں ہمیشہ یاد رکھیں گی۔

مولانا شمار اللہ جون ۱۸۶۵ء میں امرتسر میں پیدا ہوئے۔ ۴۴ سال کے تھے کہ مولانا احمد اللہ امرتسر کے حلقہ درس میں شامل ہوئے۔ اس کے بعد استاد حدیث مولانا حافظ عبد المنان صاحب محدث وزیر آبادی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ وزیر آباد میں تکمیل حدیث کے بعد دیوبند تشریف لے گئے۔ جیسا کہ مولانا مرحوم خود فرماتے ہیں۔

”وزیر آباد میں حدیث شریف پڑھ کر ۱۳۰ھ میں دیوبند گیا۔ وہاں کتب درسیہ منقول و منقول شرح چھینی تک پڑھ لی۔ حدیث کے دور سے بھی استفادہ کیا۔ دیوبند سے ٹوخیال مجھے مدرسہ فیض عام کان پور لے گیا۔ کیونکہ ان دنوں مولانا احمد حسن صاحب مرحوم کے منطقی درس کا شہرہ بہت زیادہ تھا۔ مجھے بھی علوم منقول و منقول سے خاص شغف تھا اس لیے مدرسہ فیض عام کان پور میں جا کر داخل ہو گیا۔ کچھ شک نہیں مولانا مرحوم کا تجربہ علمی و اتقی قابل تعریف تھا وہاں جا کر میں کتب مقررہ میں شریک ہوا اور قند مکر کا لطف اٹھایا۔ انھیں دنوں مولانا مرحوم کو حدیث پڑھانے کا تازہ تازہ شوق ہوا تھا۔ میں ان کے درس حدیث میں شریک ہوا۔ پنجاب میں مولانا حافظ عبد المنان صاحب مرحوم (اہل حدیث مشرب) میرے شیخ الحدیث تھے۔ دیوبند میں مولانا محمود الحسن صاحب اور کان پور مولانا احمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہم اجمعین استاد العلوم والحدیث میرے شیخ الحدیث تھے۔ اس لیے میں نے حدیث کے تین استادوں سے جو طرز تعلیم سیکھا۔ وہ بالکل ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ جس کے ذکر کا یہ موقع نہیں۔

آشنائے قیام دیوبند ہی میں میں نے حضرت میاں صاحب دہلوی مرحوم و منقول کی خدمت میں حاضر ہو کر سند اجازت حاصل کر لی تھی۔

شعبان ۱۳۱۲ھ مطابق ۱۸۹۳ء فیض عام کان پور کا جلسہ ہوا۔ جس میں

آٹھ طلبہ کو دستار فضیلت اور سند تکمیل دی گئی۔ ان آٹھ میں سے ایک ہیں گناہم بھی تھا۔  
فیض نام کا یہ جلسہ وہ ہے جس میں زیر صدارت مولانا لطف اللہ صاحب مرحوم  
منفرد ذرۃ العلماء کی بنیاد رکھی گئی تھی۔ اس جلسہ کی یہی یادگار کافی ہے۔  
(اہلحدیث امرتسر ۲۳ جنوری ۱۹۴۲ء)

کان پور سے فراغت کے بعد مولانا مرحوم امرتسر تشریف لائے۔ اور امرتسر کے ایک  
مدرسہ میں درس نظامیہ کی تعلیم پر مامور ہوئے۔ مولانا کی طبیعت میں تجسس بہت زیادہ تھا۔  
زمانہ طالب علمی ہی میں طبیعت اس طرف مائل تھی۔ غیر مذاہب کی کتابوں میں پڑھتے تھے۔  
اور ان کے علماء سے بحث مباحثہ میں مشغول رہتے تھے۔ عیسائی اور آریہ اپنے مذہب  
کی صداقت کے لیے آئے دن بحث مباحثہ کرتے رہتے تھے۔ اور انہی دنوں قادیانی تحریک  
بھی شروع ہو چکی تھی۔ چنانچہ مولانا مرحوم نے اس طرف دلچسپی یعنی شروع کی۔ جیسا کہ آپ  
فرماتے ہیں۔

مسلمانوں کی طرف سے اس دواع کے علمبردار مولانا ابوسعید محمد حسین صاحب  
بٹالوی مرحوم تھے۔ میری طبیعت طالب علمی ہی کے زمانہ سے مناظرات کی طرف بہت  
راغب تھی۔ اس لیے درس و تدریس کے علاوہ میں ان تین گروہوں (عیسائی، آریہ  
اور قادیانیوں) کے علم کلام اور کتب مذہبی کی طرف متوجہ رہا۔  
بفضل تعالیٰ میں نے کافی واقفیت حاصل کر لی۔ یاں اس میں شک نہیں کہ ان تینوں  
مخاطبوں میں سے قادیانی مخاطب کا نمبر اول رہا۔ شاید اس لیے کہ قدرت کو منظور  
تھا کہ مولانا بٹالوی مرحوم کے بعد یہ خدمت میرے سپرد ہوگی۔ جس کی بابت مولانا  
مرحوم کو علم ہوا ہو تو شاید یہ شعر پڑھتے ہوں گے کہ

اے سجادہ نشین قیس ہوا میرے بعد  
رہی خالی نہ کوئی دشت میں جا میرے بعد

(اہل حدیث امرتسر ۲۳ جنوری ۱۹۴۲ء)

مولانا مرحوم نے جو تحریری اور تقریری خدمات سرانجام دی ہیں ان کا احاطہ کرنا مشکل  
ہے۔ آپ نے ہزاروں مضامین اور مقالے اخبار اہل حدیث میں لکھے۔ اس کے علاوہ  
عیسائیت، آریہ مت، قادیانیت، شیعیت، منکریں حدیث، نیچریت اور مقلدین کی تردید



میں بے شمار کتابیں لکھیں۔ مجھے مولانا مرحوم کی جن تصانیف کا پتہ چل سکا ہے۔ ان پر میں ایک تفصیل مضمون الاعتصام لاہور اور الاسلام گوجوالہ میں شائع کرا چکا ہوں۔ مجھے جو فرست دستیاب ہو سکی ہے اس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

- ۱۔ قرآن مجید کی تفاسیر ۶
  - ۲۔ عامۃ المسلمین اور اسلامی کتب ۴۰
  - ۳۔ مقلدین کی ہدایت اور اہل حدیث کی حمایت ۱۴
  - ۴۔ تردید آریہ سماج ۲۶
  - ۵۔ تردید عیسائیت ۵
  - ۶۔ تردید قادیانیت ۲۱
- ۱۱۲

میزان

قادیانیت کی تردید میں آپ نے جو خدمات سر انجام دی ہیں۔ اس کے متعلق مولانا مرحوم فرماتے ہیں۔

کہ قادیانی تحریک کے متعلق میری کتابیں اتنی ہیں کہ مجھے خود ان کا شمار یا دہنیں ہاں اتنا کہہ سکتا ہوں کہ جس شخص کے پاس یہ کتابیں موجود ہوں۔ قادیانی مباحث میں اسے کافی واقفیت حاصل ہو سکتی ہے۔ جس کا ثبوت مرزا صاحب بانی تحریک قادیان کی اس تحریر سے ملتا ہے جو انھوں نے ۱۵ اپریل ۱۹۰۷ء کو شائع کی تھی۔ جس کا عنوان تھا۔

مولوی ثناء اللہ کے ساتھ آخری فیصلہ

اس کے شروع میں ہی میری نسبت جو خاص گلہ و شکایت کی گئی ہے وہ خصوصاً قابلِ رد و تنبیہ ہے۔ مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ مولوی ثناء اللہ نے مجھے بہت بدنام کیا۔ میرے قلم کو گرانا چاہا، وغیرہ۔ اس لیے میں دعا کرتا ہوں کہ ہم دونوں میں سے جو جھوٹا ہے وہ سچے کی زندگی میں مرجائے۔

کوئی خاص وقت تھا کہ جب یہ دعا ان کے منہ اور قلم سے نکلی اور قبولیت کے لیے آئی۔ آج قادیان کی بستی میں ادھر ادھر دیکھو تو رونق بہت پاؤ گے مگر ایسی کہ دیکھنے والا اہل قادیان کو مخاطب کر کے داغ مرحوم کا یہ شعر سنائے گا۔

آپ کی بزم میں سب کچھ رہے مگر داغ نہیں

آج وہ خانہ خواب ہم کو بہت یاد آیا

(اہل حدیث امرتسر ۲۳ جنوری ۱۹۴۲ء)

مولانا ثار اللہ مرحوم جامع الصفات شخصیت تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو گونا گونہ صفات سے موصوف فرمایا تھا۔ پاکیزہ سیرت، خوبصورتی کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ان کو زبان کی بلاغت و فصاحت بھی اعلیٰ درجہ کی عطا فرمائی تھی، عربی فارسی پر بھی کافی عبور حاصل تھا۔ آپ نے اپنی عربی تفسیر تفسیر القرآن بکلام الرحمن میں اپنی خدا داد ذہانت کے موتی بکھیرے ہیں۔ قرآن و حدیث کے معانی و مطالب کو علمی انداز میں عقلی و نقلی دلائل سے مبرہن کر کے علوم دینیہ کے شائقین کے لیے قلبی طمینان کا سامان فراہم کیا ہے۔

مولانا مرحوم کی عربی تفسیر کے بارے میں مصر کے نامور عالم علامہ سید رشید رضا نے اپنی مجلہ المنار میں بہترین خراج تحسین پیش کیا۔ اور برصغیر کے نامور مؤرخ علامہ سید سلیمان ندوی مرحوم نے اپنے علمی رسالہ معارف اعظم گڑھ کی اشاعت جلد ۲۴ نمبر ۴ ص ۳۱۶ پر لکھا۔  
”کہ تفسیر القرآن بکلام الرحمن اس قابل ہے کہ اسے نصاب درس میں داخل کر لیا جائے۔“

ایک شخص تدریس و تصنیف میں ماہر ہو تو ضروری نہیں کہ تحریر و تقریر میں بھی خاص مہارت رکھتا ہو۔ یا اگر میدان تحریر کا شہسوار ہو تو وہ ایک شعاع نور مقرر بھی ہو۔ مگر مولانا مرحوم تفسیری مرحوم کو اللہ تعالیٰ نے جامعیت عطا فرمائی تھی۔ وہ ایک اعلیٰ درجہ کے مقرر، مناظر، حاضر و غائب تھے تو دوسری طرف اعلیٰ درجہ کا تصنیفی سلیقہ بھی رکھتے تھے۔

مولانا مرحوم ایک کریم النفس اور شریف الطبع انسان تھے۔ اپنے پہلو میں ایک درد مند دل رکھتے تھے۔ دوستوں کے دکھ درد میں شریک ہوتے۔ ان کی راحت و تکلیف کا خیال رکھتے۔ وہ بہت زیادہ خود دار بھی تھے۔ غفارت و استغفار کا دامن کبھی ہاتھ سے نہیں چھوڑتا۔ طبیعت میں تواضع تھی، جاہ و ریاست کے طالب نہ تھے۔ اپنی قیمت پہچانتے تھے اور اس کا صحیح اندازہ لگاتے تھے۔ کریمانہ اخلاق اور ستودہ صفات کے حامل تھے۔ ان کے اتنے کمرے اور صاف گوہونے کے باوجود احباب اور عقیدت مندوں کا حلقہ بہت وسیع تھا یہ ان کے وسعت اخلاق کی دلیل تھی۔

قناعت و استقامت کے پہاڑ تھے۔ ایقان و توکل آپ کا خاص وصف تھا، زہد و تقویٰ میں ثنائی کردار کے حامل تھے۔ مکارم اخلاق کی مجسمہ تصویر تھے۔ اعزاز و اقارب سے حسن سلوک میں کیتا تھے۔ فراست و دانائی آپ کا موروثی وصف تھا۔ لطافت و نفاست اور سلیقہ پسندی میں آپ کو خاص ذوق اور ملکہ حاصل تھا۔

گفتار:- میں ساحرانہ جلالت و فصاحت، سخن گوئی و سخن جوئی تھی، کسی مجلس میں بھی آپ کی لب کشائی، عقیدہ کشا اور حتی نما، نتیجہ خیز و سبق آموز و عبرت آموز ہوتی تھی۔  
رفقار:- جو امر دو مقہورانہ

تقریر:- پُر مغز، مثر و معنی خیز۔

تحریر:- لطافت و نفاست و عمدگی میں خطاطی کا نمونہ۔

مضمون:- میں سلاست و جامعیت، ربط و ضبط، اختصار و تسلسل کے اوصاف تھے۔

تنقید:- شاہین کی طرح جرات مندانہ و محققانہ۔ ع

آئین جواں مرداں حق گوئی و بے باکی

جو دوسنجا آپ کی خاندانی عادت تھی۔

اور آپ صیغہ طور پر اس شعر کے مصداق تھے۔ سہ

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پر روتی ہے

بڑی شکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ در پیدا

یوں صدی امرتسر میں قیام کے بعد آپ کو اپنا وطن مالوت چھوڑنا پڑا۔ اور آپ ہجرت کر کے پاکستان تشریف لے آئے۔

ترک مال و ترک جان و ترک پیسر

دراز موز عشق اول منزل است

جن اسباب کے تحت آپ کو وطن چھوڑنا پڑا۔ وہ اسباب ظاہری تھے یعنی تقسیم ملک، مسلمانوں نے اپنے لیے ایک علیحدہ آزاد مملکت کا مطالبہ کیا جو بہت بڑی فرائض کے قید پورا ہوا۔ مشرقی پنجاب میں مارچ ۱۹۴۷ء سے ہی فسادات شروع ہو چکے۔ اور فسادات تباہ آبادی کے وقت ہوئے اس کی حقیقت حال جب سامنے آتی ہے تو بدن کے رنگ گٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ان فسادات میں امرتسر کیسے محفوظ رہ سکتا تھا۔ امرتسر اور اس کے

گوردنواح سکھوں کی کثیر آبادی تھی جو مسلمانوں کو تباہ و برباد و ہلاک کرنے کے لیے جمع ہو گئی۔ لہذا امرتسر میں مسلمانوں پر جو ظلم و ستم ہوا اس کی مثال شاید سارے ہندوستان میں نہ مل سکے۔ قیام امن کے سلسلہ میں ہندوستان میں امن کمیٹیاں بنی تھیں اور اس سے امرتسر کیسے متثنیٰ رہ سکتا تھا۔ امرتسر میں بھی امن کمیٹیاں قائم ہوئیں مگر ہندو اور سکھ اس سلسلہ میں مخلص نہ تھے۔ اور مسلمانوں نے حتی المقدور کوشش کی کہ شہر میں امن وامان رہے۔

مولانا امرتسری مرحوم چونکہ خود امن و آشتی کے بہت حامی تھے اور وہ صلح و سلام کے خواگر تھے۔ اس لیے آپ نے ان امن کمیٹیوں کا خیر مقدم کیا۔ خود بھی ممبر بنے اور دوسرے احباب کو بھی ممبر بنایا۔ مگر یہ امن کمیٹیاں صحیح طور پر اپنا مشن جاری نہ رکھ سکیں اور فسادات دن بدن بڑھتے ہی گئے اور ان پر قابو نہ پایا جاسکا۔

جب فسادات دن بدن زیادہ بڑھتے گئے اور امن وامان کی کوئی صورت نظر نہ آئی۔ تو آپ نے ہجرت کا قصد فرمایا۔ چنانچہ جس روز آپ نے امرتسر چھوڑنے کا ارادہ فرمایا۔ اسی دن آپ کے اکلوتے صاحبزادے مولوی عطاء اللہ صاحب کو ایک بم کے ذریعے شہید کر دیا گیا۔ آپ نے خود نماز جنازہ پڑھائی۔ تجہیز و تکفین سے فارغ ہو کر گھر تشریف لائے۔ اس کے بعد آپ نے امرتسر کو خیر باد کیا اور آپ لاہور تشریف لے آئے۔ لاہور میں کچھ عرصہ قیام کے بعد مولانا محمد اسماعیل السلفی مرحوم سابق امیر جمعیت اہل حدیث پاکستان کے اصرار پر گوجرانوالہ تشریف لے آئے۔ گوجرانوالہ میں آپ کا قیام وسط جنوری ۱۹۴۸ء تک رہا۔ اس کے بعد آپ سرگودھا تشریف لے گئے۔ جہاں آپ کو حکومت نے ثنائی برقی پریس امرتسر کے عوض ایک پریس الاٹ کر دیا تھا۔

سرگودھا کے قیام میں آپ دوبارہ اخبار اہل حدیث کے اجراء کا سلسلہ شروع کرنے والے تھے۔ اخبار اہل حدیث جو آپ نے ۱۹۴۷ء میں جاری کیا تھا۔ اور جس کا آخری شمارہ اگست کے پہلے ہفتے میں شائع ہوا تھا۔ جو تقریباً ۴۴ سال تک توحید و سنت اور اسلام کی اشاعت میں مصروف رہا۔ تقریباً ۶ ماہ سے بند ہو گیا تھا۔ اس کو دوبارہ جاری کرنے والے تھے۔ اس کے لیے پروگرام بھی وضع کر لیا تھا کہ ۱۲ فروری ۱۹۴۸ء کو آپ کو دائیں جانب فالج گرا۔ حملہ نہایت شدید تھا۔ سماعت، شناخت اور تکلم کی قوتیں جواب دے گئیں۔ احباب و اعزہ نے علاج و معالجہ میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ مگر کوئی دوا کارگر نہ ہوئی۔

اور آخر کل نفس ذائقہ الموت کے اٹل قانون کے تحت اسلام کے اس مرد غازی نے ۵ مارچ ۱۹۴۸ء  
دوشنبہ کے روز صبح کے وقت اپنی جان جانِ آفرین کے سپرد کر دی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔  
مولانا شہداء اللہ مرحوم اکثر اپنی تقاریر میں یہ اشعار پڑھا کرتے تھے۔  
مارا دیارِ غیر میں لا کر وطن سے دور  
رکھی خدا نے میری بے کسی کی لاج

شہر میں جہین نہ جنگل میں اماں ملتی ہے  
دیکھیے قبرِ ماسر کو کہاں ملتی ہے

آپ کے انتقال سے برصغیر پاک و ہند کے تمام علمی حلقوں میں صفت ماتم کچھ گچی۔ برصغیر  
پاک و ہند کے جوائڈ نے آپ کی وفات پر مائتمی مقالے لکھے۔ دہنوں حکومتوں میں تعزیت کے  
اجلاس منعقد ہوئے۔ دہلی کے ایک بہت بڑے سیاسی جلسہ میں مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا  
حفظ الرحمن صاحب ناظم جمعیتہ علماء ہند نے آپ کے انتقال پر ایک غیر معمولی نقصان اور  
علمی فقدان کا درد انگیز ماتم کیا۔

برصغیر کے قلم شعراء، اخبارات اور ممتاز علماء مے کرام و دانشوروں نے آپ کو خراج  
عقیدت پیش کیا۔ یہاں صرف شعراء میں جماعت اہل حدیث کے مشہور عالم و شاعر مولانا زحیر حسین  
گھر جا کھی مرحوم کے چند اشعار پیش کیے جاتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

وہ عالم تھا، مجاہد تھا، محدث تھا، زمانے کا  
وہ ہر میدان کا غازی تھا، مجاہد تھا زمانے کا  
مناظر تھا، مجاہد تھا وہ سب علوم میں اعلم تھا  
غرض وہ اپنی قوم میں سپہ سالار اعظم تھا  
زباں عربی و اردو میں لکھی ہیں چار تفسیریں  
خزینہ علم و حکمت کا گل و گلزار تفسیریں  
مفسر تھا کلام اللہ کا وہ مجرب حقانی  
وہ اپنے دور کا رازی و ابن تیمیہ ثانی  
وہ اپنا فرض پورا کر چکا تھا، سحر سستی میں  
بالآخر سو گیا آکر وہ سرگودھا کی بستی میں



وہ علم و فضل کا سورج، قوی پنچہ منظر تھا  
وہ فاتح تادیان اسلام کا ایک گوہر نادر تھا (سیرت ثنائی)  
ندائے مدینہ منورہ نے اپنے ادارتی کالموں میں لکھا۔

اگر پورے دنیا کے اسلام کے مکابر، علما، کسی ایک مجلس علمی میں جمع ہوں  
اور ایک وقت عیسائیوں، آریوں، سناتن دھرمیوں، ملحدوں، نیچروں، شیعوں،  
منکرین حدیث، چکڑالویوں، بریلویوں، دیوبندیوں سے غرض ہر فرقے سے ایک  
ایک گھنٹہ مسلسل نو گھنٹے بحث و مذاکرہ کی تربت آئے۔ تو عالم اسلام کی طرف  
سے کون سی ہستی ہوگی۔ مجھے معلوم نہیں۔ لیکن پاکستان، ہندوستان، براہ، لنکا۔  
جزیرہ، جاوا، سماٹرا کی طرف سے صرف ایک ہستی پیش ہو سکتی ہے۔ اور وہ  
حضرت شیخ الاسلام مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی ہستی تھی۔ ان کی  
رحلت کے بعد ہندوستان و پاکستان کی یہ سر بلندی شاید باقی نہ رہے۔ یہ  
ہزاروں سالوں سے اپنی بے نوری پر روتی ہے

بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ در پیدا

علامہ سید سلیمان ندوی عالم اسلام کے ایک مشہور نامور فرزند تھے۔ آپ مشہور ادیب،  
مورخ سیرۃ نگار اور انشاء پرداز تھے۔ مولانا ثناء اللہ مرحوم آپ کے خاص دوستوں میں  
سے تھے۔ اور آپ سے آپ کے دیرینہ تعلقات تھے۔ مولانا سلیمان ندوی نے آپ  
کی وفات پر اپنے مشہور علمی رسالہ معارف اعظم گذر میں آپ کو زیر دست خراج تحسین  
پیش کیا۔ یہ خراج تحسین اس قابل ہے کہ آپ بھی اس سے لطف اندوز ہوں۔ مولانا سید  
سلیمان ندوی مرحوم فرماتے ہیں۔

مولانا ہندوستان کے شاہیر علی میں تھے۔ فن مناظرہ کے امام تھے۔ خوش بیان  
مقرر تھے۔ متعدد تصانیف کے مصنف تھے۔ مذہب اہل حدیث تھے اور اخبار  
الحدیث کے ایڈیٹر تھے۔ قومی سیاسیات کی مجلسوں میں کبھی کبھی شریک ہوتے تھے۔  
مرحوم سے مجھے نیاز اپنی طالب علمی ہی سے تھا۔ وہ سال میں ایک دو دفعہ  
ہندوستان کے مختلف شہروں میں آتے جاتے۔ لکھنؤ آتے تھے اور دارالعلوم ندوۃ  
میں تشریف لاکر احباب سے ملتے تھے۔ اسی سلسلہ میں مجھے بھی نیاز حاصل ہوا۔

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ مرحوم مدرسہ میں تشریف لائے۔ میں درس میں تھا۔ ان کو آتا دیکھ کر ان کی طرف ہکا بکا مرحوم نے میرے بجائے سبقت استاذی شمس العلماء مولانا حفیظ اللہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ کی طرف کی۔ اور حدیث کا یہ حکم پڑھا۔ کبدا سکبر یعنی بڑے کو بڑائی دو۔

مرحوم ندوہ کے رکن اکثر رہے۔ بلکہ خوذان کے بقول ندوہ کا بنیاد میں ان کی دستار بندی ہی کے جلسہ میں پیدا ہوا۔ مرحوم نے ابتدائی تعلیم کے بعد کچھ دنوں مدرسہ دیوبند میں پڑھا۔ پھر وہ کانپور آکر مدرسہ فیض عام میں داخل ہوئے اور یہیں ۱۳۱۵ھ میں فراغت پائی۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ مرزا غلام احمد قادیانی کے دعووں سے پنجاب میں فتنہ پیدا تھا۔ انھوں نے مرزا کے خلاف صف آرائی کی۔ اور اس وقت سے لے کر آخر دم تک اس تحریک اور اس کے امام کی تردید میں پوری قوت صرف کر دی۔ یہاں تک کہ طرفین میں مباہلہ بھی ہوا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ صادق کے سامنے کا ذب نے وفات پائی۔ یہ پرانے قصہ ہیں۔ جن کو دہرانے کی چیزاں ضرورت نہیں۔ موجودہ سیاسی تحریکات سے پہلے جب شہروں میں اسلامی الجین قائم تھیں اور مسلمانوں اور قادیانیوں اور آریوں اور عیسائیوں میں مناظرے ہوا کرتے تھے۔ تو مرحوم مسلمانوں کی طرف سے عموماً نمائندہ ہوتے تھے اور اس سلسلہ میں وہ ہالیہ سے لے کر خلیج بنگال تک ہمیشہ رواں اور دواں رہتے تھے۔

اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف جس نے بھی زبان کھولی اور قلم اٹھایا۔ اس کے حملے کو روکنے کے لیے ان کا قلم شمشیر بے نیام ہوتا تھا اور اسی مجاہدانہ قلم میں انھوں نے عمر بسر کر دی۔ فجزا الا اللہ عن الاسلام خیر الجنوا۔

وہ مصنف بھی تھے۔ مخالفین اسلام کے اعتراضوں کے جواب میں ان کے اکثر رسالے ہیں۔ ان کی تصنیفات میں دو تفسیریں خاص ذکر کے قابل ہیں۔ تفسیر ثنائی اردو اور تفسیر القرآن بکلام الرحمان عربی میں۔ مرحوم کو خود بھی یہ تفسیریں پسند تھیں۔ مرحوم چونکہ مناظر تھے اس لیے عربی تفسیر میں آیات صفات کے باب میں سلفی عقائد کے بجائے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی پیروی میں

تاویل کی راہ اختیار کی تھی۔ اس سے امر تبرک کے غزوئی علمائے اہل حدیث نے ان کی بشدت مخالفت کی ۱۹۲۶ء میں جب حج کی تقریب میں خاکسار اور مرحوم اور دیگر علمائے اہل حدیث کا حجاز جانا ہوا۔ تو یہ نزاع سلطان ابن سعود کے سامنے بھی پیش ہوئی اور سلطان نے کوشش کر کے فریقین میں صلح کرا دی۔ مرحوم وہیں مجھے ملے تھے کما فیوس ہے کہ نجد کے علماء حضرات شاہ ولی اللہ کی قسب در و قیمت سے واقف نہیں۔ اور مجھ سے چاہتے تھے کہ میں اس باب میں سلطان سے کچھ عرض کروں۔

مرحوم کبھی کبھی قومی مجلسوں میں بھی شرکت کرتے تھے۔ ۱۹۱۲ء کی غزوہ کی تحریک اصلاح کے سلسلہ میں جب حکیم اجمل خاں مرحوم کی دعوت پر دہلی میں ایک عظیم الشان اجلاس ہوا۔ جس میں سارے ہندوستان کے مسلمان نمائندے شریک تھے تو مولانا شبلی کی تحریک پر مرحوم ہی صدر مجلس قرار پائے تھے۔ ۱۹۱۹ء میں جب تحریک خلافت کا پہلا ابتدائی جلسہ لکھنؤ میں ہوا جس میں سارے ملک کے اکابر اور مشاہیر جمع تھے اس میں بھی مرحوم شریک تھے۔ ۱۹۲۵ء کی جمعیت العلماء کے اجلاس کلکتہ میں جس میں اس خاکسار کی صدارت تھی۔ مرحوم موجود تھے اور خاص طور سے اس لیے آئے تھے کہ جمعیت کے اہل اجلاس میں دارالحرب میں سود کے مسئلہ پر بحث کرنے والے تھے۔ حضرت مولانا ابوالوفا ثناء اللہ صاحب اور دوسرے علمائے دیوبند بھی تشریف فرما تھے۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ اگر حضرات علمائے دیوبند حنفیہ کے مشہور مسلک لاریو بین الحدیث والیہ کے لیے دارالحدیث پر متفق ہوں تو میں بھی تائید کروں گا مگر علماء میں سچ کی گفتگو ہو کر رہ گئی۔ کھلے اجلاس میں کوئی بحث نہیں ہوئی۔

مرحوم ۱۹۲۶ء میں حجاز کے موثر اسلامی میں نمائندہ اہل حدیث کی حیثیت سے شریک تھے اور عربی میں ایک دو مختصر تقریریں بھی اپنے طرز کی موثر میں کی تھیں۔ مدینہ منورہ بھی حاضر ہوئے تھے۔ کہتے تھے کہ جو اہل حدیث یہاں نہ آئے وہ محبت سے خالی ہے۔ (ان کا اصل فقرہ اس وقت پوری طرح یاد نہیں) ڈاکٹر اقبال کی وفات کے بعد میرا لاہور جانا ہوا اور ان کو خبر ہوئی تو مجھے پیغام

بجیسی کہ واپسی میں ان سے ملے بغیر نہ جاؤں۔ چنانچہ واپسی میں امرتسر اترا۔ اور ان کے پاس دو دن کھڑا۔ اور بہت سی باتیں ہوئیں۔ جن میں سے ایک جیسا خیال آتا ہے اہل حدیث کے انتشار اور پراگندگی کی گفتگو تھی۔ میں مرحوم کو کھتا رہتا تھا کہ آپ آمین، رفیع یدین وغیرہ مسائل فقہ جن کا ہر پہلو جائز اور ثابت ہے۔ مناظرانہ تحریروں میں دقت ضائع نہ کریں۔ نگروہ ان کی اہمیت پر مصر تھے۔

ان کی عمر میرے خیال میں ۸۰ سے کچھ متجاوز ہوگی۔ ابھی چند سال ہوئے وہ گر پڑے تھے۔ جس سے کولے کی ہڈی پر چوٹ لگی تھی۔ جس کے سبب سے وہ چلنے پھرنے سے معذور ہو گئے تھے۔ پنجاب کے گوشہ نشین عوام میں جو ان بیٹے کی مناقرت کا اثر یقیناً پڑا ہوگا۔ لیکن اس کے بعد پاکستان و ہندوستان کے درمیان جو دیوار قائم ہو گئی۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ مجھے مرحوم کی وفات کی اطلاع بھی اس سے پہلے نہیں ہوئی۔ اور یہ اطلاع بھی جمعیتہ العلماء دہلی کے تازہ جلسے میں تعزیت کی تجویز سے ہوئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم اسلام کے بڑے مجاہد سپاہی تھے۔ زبان اور قلم سے اسلام پر جس نے بھی حملہ کیا اس کی مدافعت میں جو سپاہی سب سے آگے بڑھتا۔ وہ وہی ہوتے اللہ تعالیٰ اس غازی اسلام کو شہادت کے درجات و مراتب عطا فرمائے۔ آمین۔  
(معارف مئی ۱۹۴۵ء جلد ۶۱ - ۵)

## تفسیر الخازن مع التفسیر

الترتیب والبیان عن تفصیل آئی القرآن، تفسیر روح البیان، احکام القرآن للخصاص، شرح شفاء الذہب فی معرفۃ کلام العرب، اعلام المتقین لابن قیم، منہاج السنۃ لابن تیمیہ، الحادی للفتاویٰ المختصائص الکبریٰ للسیوطی، مروج الذہب و معادن الجواهر، تاریخ الفتاویٰ الحدیثیہ لابن حجر، کتب التقریر، الرواۃ فی تخریج امادیت المسکوۃ علاوہ ازین سبے شمار عربی اردو کتب کا ذخیرہ۔ آپ اپنی کوئی کتاب چھنا چاہیں تو ہمیں یاد فرمائیں۔

عبد الرحمن علی گڑھ یا لکھنؤ حنائیکہ الکتاب ایمن پور بازار فیصل آباد



# Monthly MOHADDIS Lahore-16

ISLAMIC RESEARCH COUNCIL

- ✳ عناد اور تعصب قوم کے لیے زمرہ بادل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ لیکن تعصبات سے بالاتر رو کر انعام و تقسیم اُمت کے لیے رحمت کا باعث ہے۔
- ✳ علوم جدیدہ سے ناواقفیت اور انکار، انسانی ارتقا کو تسلیم کرنے میں نخل کا درجہ رکھتے ہیں۔ لیکن قدیم علوم اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دقیانوس بتانا اُمت کی تباہی کا سبب ہے۔
- ✳ غیر مذاہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اقدار کے منافی ہے۔ لیکن دین اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سرانجام نہ دینا، حقیقت دینی اور غیرت اسلامی سے یکسر انحراف ہے۔
- ✳ تبلیغ دین اور نشر و اشاعت اسلام میں حکمت عملی کو نظر انداز کر دینا مصائب دنیہ کے خلاف۔ لیکن حرام و حلال کے امتیاز میں رواداری برتنا اور قوانین و مسائل اسلامیہ کو نرم کر دینا اسلامی فوج کو کمزور کرنے کے مترادف ہے۔
- ✳ آئین و سیاست سے بیگانہ ہو کر عبادت کے لیے گوشہ نشین ہو جانا زندگی سے فرار ہے۔ لیکن ع۔ مجاہدوں کی سیاست تو رہ جاتی ہے چنگیزی
- ✳ جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عباد و صالحین کے اوصاف میں داخل ہے۔ لیکن جاہلیت کو دشنام اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے۔



اگر آپ ایسا منصفانہ اور عقیدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو:

## مَحَلِّث

ہا ملالہ فرمائیے۔ آپ اس کو ان جملہ صفات و محاسن سے مزین پائیں گے ان شاء اللہ۔ کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرز فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

فی پرچہ ۱/۵۰ روپے

زیر سالانہ ۱۵ روپے